رنگوں کی روشنی .... عالیہ حرا

وہ بہت دیر سے اس شخص کو جنونیوں کی طرح لڑتا دیکھ رہی تھی اس سے پہلے وہ اونچا اونچا بول کر اپنا نقطۂ نظر ان لڑکوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور نتیجہ حسبِ منشا نہ پا کر اس نے ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اردگرد کی ساری لڑکیاں خوف زدہ ہو کر چیختی ہوئی بھاگ گئی تھیں۔ لڑکے ان کے قریب جمع ہونے لگے۔ وہ ایک اور سامنے تین تھے مگر وہ جنونی انداز میں حملے کرتا کوئی نفسیاتی کیس لگ رہا تھا۔ کہیں سے بالکل نہیں لگتا تھا کہ وہ شائستہ مزاج و اطوار کا پرکشش نوجوان ہے۔

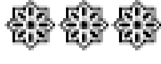
اس کے ساتھ کھڑی جاذبہ جانے کب ڈر کر بھاگ گئی تھی اور وہ اکیلی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

تب ہی سر داؤد کی گاڑی ہجوم کے قریب آ کر رکی۔ ہجوم تتر بتر ہونے لگا۔

بہر حال استاد کا احترام لازم تھا۔

فائل اور موٹی سی تاریخ اسلام کی کتاب بازوؤں کے حلقے میں تھی۔ سیاہ بیگ شانے پر لٹکائے ربیعہ نے جسم سے ڈھلکتی چادر ٹھیک کی۔ نگاہ اس بہادر زادے پر تھی جو اب سر داؤد کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا اور وہ بہانگ دہل ان کی کلاس لے رہے تھے۔ درس گاہ کے اصول و ضوابط سے آگاہ کرتے ہوئے انہیں سخت سست کہہ رہے تھے۔ دور کھڑے ہونے کی وجہ سے الفاظ تو نہیں مگر سر داؤد کے لہجے کا متن سمجھ میں آ رہا تھا۔

اور ربیعہ صلاح الدین کو نفسیات کے اس الجھے ہوئے کردار سے نہ جانے کیوں انسیت سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جلنے لگیں اور پلکیں یک دم ہی نادیدہ دکھ سے بوجھل ہو گئیں۔ اس پل اس شخص کی آنکھیں پلٹتے ہوئے اس کی جانب اٹھیں اور پھر رخ پھیر کر اپنی منزل کی سمت روانہ ہو گئیں۔ سر داؤد نے وارننگ دے کر چھوڑ دیا تھا۔ رابعہ کی نگاہوں نے حد تک اس کا تعاقب کیا تھا اور پھر بوجھل دل کے ساتھ اپنے رستے پر ہو لی تھی۔



"تمہیں کیا ضرورت تھی فلم کے آخری منظر تک ادھر ہی کھڑا ہونے کی؟" اگلے دن سب سے پہلے جاذبہ نے اس کی کلاس لی۔

"اور کیا یہ شوٹنگ تو یونیورسٹی کے ماحول کا حصہ ہے۔ ہمیں اس میں انوالو ہونے کی ضرورت نہیں۔" اپنے نوٹس دیکھتے ہوئے نگار نے بھی رائے دی۔

"ویسے۔" جاذبہ ذومعنی انداز میں اس کی جانب جھکی۔ جس کے چہرے پر ایک سوگواریت طاری تھی۔ "اس ڈوپل ماسٹر پر دل تو نہیں آ گیا؟"

وہ مبہم سے انداز میں مسکرا دی۔

"تم لوگ بچپن کی عمر سے نکل چکے ہو۔ خدارا یہ اسٹار پلس وغیرہ کے ڈرامے اور فلمیں دیکھنا بند کر دو۔ انسان دل آنے اور دل جانے کے سوا کچھ اور بھی کر سکتا ہے۔"

"بچپن کی عمر سے نکل چکے ہیں تو کیا ہوا جذبے تو سلامت ہونے چاہئیں اور وہ...... ابھی ہماری زندگی میں آیا تو نہیں ہے۔" نگار نے ذومعنی انداز میں کہا تو جاذبہ نے اس کی کمر پر موٹی کتاب سے دھپ لگائی اور وہ "آہ" کر کے رہ گئی۔

"اسے جب آنا ہو گا آ جائے گا۔ میں متاثرین میں سے نہیں ہوں اور نہ ہی آس امید کے دیئے جلائے ہیں میں نے۔ تقدیر پر شاکر ہوں۔" ربیعہ نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"متاثرین؟ کیا بات ہے بھئی؟"

"لگتا ہے ربیعہ کے اندر کوئی بوڑھی روح حلول کر گئی ہے۔ کوئی یاسیت زدہ...... حزن و کرب کی ماری ملول و اداس۔"

"تم کیا جانو میری سکھیو! دل کس حزن میں رہتا ہے لہو کس کرب سے بہتا ہے میری ذات کا دکھ میرا ہے اسے کیسے عیاں کروں" وہ سوچ رہی تھی۔

"ارے۔" اچانک نگار نے اسے ٹہوکا دیا۔

ربیعہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"مجھے نہیں...... ادھر...... اس شہزادے کو اس کے اندر فلمی ہیرو بننے کے تمام چانسز ہیں۔ کل کا فائیٹر...... آج کا چاکلیٹی ہیرو۔"

اس تبصرہ پر ربیعہ نے جاذبہ کے اشارے کی جانب دیکھا۔ سامنے سے آتا وہ مخالف راہ داری میں جا رہا تھا۔ دو لڑکے اور لڑکیوں کے ساتھ۔ زور سے قہقہے لگاتا۔ دائیں ہاتھ میں فائل تھی۔ بائیں ہاتھ میں رول کیے ہوئے کچھ کاغذ...... فریش سا انداز......

تم یونہی ہنستے رہو۔ کسی بھی غمناک سائے سے بچے رہو۔ تمہاری آنکھوں کے دیپ سلامت رہیں۔ ربیعہ کے بے اختیار دل سے دعا نکلی۔

"ارے۔" نگار نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ "کہاں کھو گئیں؟"

"آں...... ہاں...... کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" جاذبہ نے جرنل کھولا۔

"ایک تو تم لوگ شکی وہمی بہت ہو۔ چلو پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔" ربیعہ نے بیگ اور فائل اٹھائی۔

"ایسے ہی ہم ادھر نہیں بیٹھے۔ ابھی تک میڈم ثنا نہیں آئیں اور اب ان کے آنے کا ارادہ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"چلو پھر لائبریری چلیں۔" ربیعہ نے ان کی جانب دیکھا۔

"کیا لینا ہے؟ کوئی نیا اسائنمنٹ ملا تو چلیں گے۔" نگار نے کسمندی سے کہا۔

"اچھا میں ہو کر آتی ہوں ایک بک ایشو کروانی ہے۔" ربیعہ اپنی فائل ان کے درمیان چھوڑ کر پلٹی اور لائبریری کی جانب روانہ ہو گئی۔



وہ ماس کمیونیکیشن کا فائنل ائر کا اسٹوڈنٹ تھا۔ اگلے سال اسے پاس آؤٹ کر جانا تھا اور آگے اس کا مستقبل تھا اور شاندار مستقبل بنانا ہو تو جذباتیت کو بہت پیچھے رکھنا ہوتا ہے اور ربیعہ کو لگتا تھا کہ دانش کے اندر کچھ ایسا ہے جو اسے ہر وقت رکھتا ہے۔ کوئی گرہ، کوئی حادثہ، کوئی الجھن گھریلو حالات یا پھر کوئی گھریلو الجھنیں۔

اپنے فائنل ٹرمز کی اسٹڈی کے ساتھ ساتھ وہ اس شخص کو بھی اسٹڈی کرنا چاہتی تھی۔ جس کو اس نے ابھی تک صرف دور دور سے جائزہ لے کر جانا تھا اور دل میں شدت سے خواہش تھی کہ اسے قریب سے جانے پڑھے اور...... اور اگر ہو سکے تو اس کی مدد کرے تا کہ اس معاشرے کو ایک اور الجھا ہوا نفسیاتی کردار نہ ملے۔ تناؤ، تنفر، فرسٹریشن کسی کی زندگی تباہ نہ کرے جیسے...... جیسے......

اکثر اس کی آنکھیں بھیگ جاتی تھیں اور اپنی نم پلکوں کو چھوتے ہوئے وہ بے اختیار "خدا نہ کرے" کہتی تھی۔

جاذبہ اور نگار اس کی فیلنگ کو کسی اور رنگ میں دیکھتی اور سمجھتی تھیں۔ اس میں قصور ان کا بھی نہیں تھا۔ وہ جس ماحول سے تعلق رکھتی تھیں جوان کی عمر تھی اس کے لحاظ سے تقاضا بھی کرتی تھیں مگر ربیعہ ان سب باتوں سے بالکل الگ تھی۔ اس کی سوچیں اس کے خیالات اور اس کے خواب بالکل الگ قسم کے تھے۔ ایسے نفسیاتی الجھے ہوئے کردار اسے بہت ہرٹ کرتے تھے اور اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ سب کچھ ٹھیک کر دے مگر۔ ابھی تک اس شخص سے کوئی باضابطہ ملاقات ہی نہ ہو سکی تھی اور تو اور اس کا نام بھی نہیں معلوم تھا مگر اس کے چہرے انداز، لہجے، تناؤ، متنفرانہ انداز، تیکھے اطوار سے ہی جانا تھا۔



"میرے خیال میں ربیعہ تم نے غلط جگہ ہاتھ مارا ہے۔"

ربیعہ کو کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے اچھو لگ گیا۔

"ہاتھ مارا ہے۔" بے یقینی سے پرسکون بیٹھی نگار کو دیکھا تو اس کے چہرے پر ایسی ذومعنی مسکراہٹ تھی گویا جاذبہ کی بات سے سو فیصد متفق ہو۔

"ہاں۔" جاذبہ کے لہجے میں یقین تھا۔

"کس کے ڈاکہ مار دیا میں نے؟"

"مارا تو نہیں مارنے کا ارادہ ضرور ہے۔"

"دماغ تو ٹھیک ہے ایسے غیر قانونی کام کیوں کرنے لگی۔"

"دانش ایک دم سے لفنگا، دل پھینک عاشق ہے۔ یونیورسٹی کی ہر دوسری لڑکی اس کی پرسنلٹی کی عاشق زار ہے۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے اسے تو کوچ کر جانا ہے بعد میں بھرتی رہیں آہیں۔"

ربیعہ ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی۔

"دانش کون؟"

"وہی تمہارا جنگجو ہیرو۔" مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"کیا بکواس ہے؟ تم لوگ تو بس۔" اسے برا لگ گیا تھا یہ انداز مگر جاذبہ اس کے لہجے کی گہرائی ناپے بغیر کہتی رہی۔

وہ ادھر درختوں کے جھنڈ میں بیٹھا تھا۔ سال اول کی فریش ردا کے ساتھ اور ردا تو اس سے باتیں کرتے ہوئے بس شرم سے مری جا رہی تھی۔ اس کی محبت میں گھٹنوں گھٹنوں ڈوبی۔ سچ مجھے تمہارا بہت خیال آیا۔ چھوڑو تم اس کا خیال اور......"

"جاذبہ!" اسے غصہ آ گیا۔

نگار اس کے ڈپٹنے کے انداز پر کھلکھلا کر ہنس دی۔

"یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم کسی کو دیکھتے ہیں تو وہ عاشق کی نگاہ ہو۔ اس میں کوئی اور جذبہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"مثلاً؟" جاذبہ کو ربیعہ کو چھیڑنے میں مزہ آ رہا تھا۔

"بھائی بندی والی کیفیت تو نہیں۔"

"ہونہہ۔ پچھلے دو سال سے ہم ایک ساتھ ہیں اور تم مجھے سمجھ ہی نہیں سکیں۔" ناراض لہجے اور شاک سے انداز میں انہیں دیکھا۔

"ارے...... ارے...... یہ ربیعہ تو ناراض ہو گئی۔ میں تو مذاق کر رہی تھی اور تمہیں جانتے نہ ہوتے تو دوستی کرتے یا یہ دوستی قائم رہ سکتی تھی۔" جاذبہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"جاذبہ! تم بھی بس نا۔" نگار نے خفگی سے اسے دیکھا اور ربیعہ کا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔

"چھوڑو مجھے میں لائبریری جا رہی ہوں۔" اس نے ہاتھ کھینچا۔

"یار! سوری۔" جاذبہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"ویسے مجھے پتہ چل گیا ہے کہ۔"

"بس اب اس موضوع پر بات نہیں ہو گی۔" نگار نے سیز فائر کیا اور دونوں خاموش ہو گئیں۔ ربیعہ سر جھکا کر گھاس کے تنکے نوچنے لگی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی سوچ اپنی فکر ان پر ظاہر نہیں کر سکتی تھی کیوں کہ پھر اس کی ذات کی مضبوطی ختم ہو جاتی اور اپنی ریزہ ریزہ ذات کو بمشکل اس نے مضبوط و مربوط کیا تھا۔ اندر سے بے شک آج بھی وہ کمزور تھی مگر بظاہر وہ پتھر نظر آتی تھی۔



"دانش! یہ سال دوم کی ربیعہ صلاح الدین ہر وقت تجھے نظروں میں رکھتی ہے۔ خاص طور پر جب تو کسی سے جھگڑ رہا ہوتا ہے تو اس کی موجودگی شرط ہوتی ہے۔" طاہر بڑی رازداری سے دانش کو بتا رہا تھا۔ دانش چونک گیا۔

"ربیعہ کون؟"

“وہی بلو اسکارف‘ گرین فائل والی جس کی گندمی رنگت پر گندم کے خوشوں کا گمان ہوتا ہے۔” طاہر شدت سے ہنسا۔

“یہ ٹین ایجر لڑکیاں بس یہی کچھ کر سکتی ہیں۔ یہ پڑھنے کب آتی ہیں۔ گھر سے دور بس یہ ہی کرنے تو آتی ہیں۔ آنکھوں سے مارتی ہیں‘ ابرو سے نیچے گراتی ہیں‘ حسن کی بجلیوں سے تسخیر کر کے...... یہ جا وہ جا۔” جانے کس موڈ میں دانش بیٹھا ہوا تھا کہ کلس کر بولا۔

“میرا خیال ہے وہ تجھے پسند کرتی ہے۔”

“ہونہہ پسند پسند خود سے کرتی ہیں۔ رونا بچپن کی منگنی کا روتی ہیں۔ خاندان سے بغاوت کا حوصلہ نہیں۔” اس نے سر جھٹکا۔

“یار!” طاہر نے سر کھجایا۔ “ایک بار بات تو کر کے دیکھ لے۔”

“تو کر لے۔”

“میں......؟ تیرے آگے اپنی دال گلتی ہے کیا؟”

دانش نے ہنس کر اس کے سر پر فائل ماری۔

“مل لے نا ایک بار۔” پھر بضد لہجے میں کہا۔

“تو سفارشی بن کر آیا ہے؟” اچنبھے سے انداز میں دیکھا۔

“نہیں...... بس اس کی معصومیت دیکھ کر خیال آیا ہے کہ......”

“ہونہہ معصومیت؟ لڑکیوں میں معصومیت رہی کہاں ہے۔”

“اچھا چل چھوڑ اس سے بات تو کر اس سے مل تو‘ مجھے لگتا ہے کہ وہ تیرے بارے میں بہت سنجیدہ اور حساس ہے اور یہ بھی احساس ہوتا ہے پہل نہیں کرے گی۔ وہ صرف تین لڑکیوں کا گروپ ہے۔ میں نے کبھی انہیں کسی لڑکے کے ساتھ نہیں دیکھا۔ شاید کوئی مسئلہ ہو اور تجھ سے مل کر سلجھ جائے۔” طاہر سنجیدگی سے گویا تھا۔ دانش اس کی شکل دیکھنے لگا۔

“تو بھی تو ہر وقت اکھڑ مزاج‘ جنگجو ہٹیلا بنا رہتا ہے ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے بھی وہ تجھ سے بات کرتے ہوئے ڈرتی ہو۔”

یہ ساری لڑکیاں ڈرامے باز ہوتی ہیں۔ محض ہماری توجہ حاصل کرنے کے لیے ڈھونگ رچاتی ہیں۔”

طاہر کے باریک بینی سے کیے گئے تجزیے کا دانش نے یہ جواب دیا۔

“تو کوئی اپالو کا شہزادہ نہیں ہے۔ میں نے تو سرسری سی بات کی تھی۔” اسے غصہ آ گیا۔ دانش کھلکھلا کر ہنس دیا۔

“بس اتنی برداشت تھی۔”

“چل اٹھ سر آفندی کی کلاس شروع ہونے والی ہے۔” طاہر منہ بنا کر اٹھ گیا۔ دانش نے اس کی تقلید کی۔

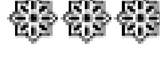
“تو بھی کیا یاد کرے گا یہ بات ہے تو اس سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔” اس نے مسکرا کر طاہر کو چھیڑا۔

“یہ احسان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔”

“ناراض ہو گیا۔” دانش اس کی جانب جھکا۔

“تیری مرضی‘ جوکر۔” طاہر نے شانے جھٹکے۔

ہنستے ہوئے دانش نے طاہر کے شانے پر بازو پھیلا دیا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔



دانش نے ہاتھ جھاڑ کر میدان سے بھاگنے والوں کو دیکھا اور پھر دائیں بازو کی پشت سے منہ صاف کیا۔ ہونٹ سے نکلتا خون بازو کے کٹ پر لگ گیا۔ اک بار پھر صاف کیا۔

“ایسی طبیعت صاف کی ہے ان سیکنڈ کلاس لڑکوں کی کہ آئندہ کسی لڑکی کو چھیڑنے کی جرأت نہیں کریں گے۔” ٹراؤزر سے گرد جھاڑی۔

“یہاں داداگیری کرنے آئے ہیں یا پڑھنے۔ یونیورسٹی کو جانے کیا سمجھتے ہیں۔” کہتے کہتے یک دم سے چونک گیا۔ دور کھڑی وہی لڑکی یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ طاہر نے اپنے شانے سے اسے ٹہوکا دیا۔

اب وہ لڑکی دھیرے دھیرے ان کی جانب بڑھ رہی تھی۔ آج وہ اکیلی تھی۔ جان بوجھ کر تھی یا اس کی فرینڈز آئی نہیں تھیں یا پھر کوئی کلاس اٹینڈ کر رہی ہوں گی۔

“ہوشیار...... خبردار۔” طاہر نے سر جھکا کر بیگ اٹھایا۔ دانش نے بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔ وہ سامنے آ کر ٹھہری۔

“مجھے ربیعہ صلاح الدین کہتے ہیں۔ سال دوئم کی طالبہ ہوں ماس کمیونیکیشن کی۔”

“جی فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟” اس نے سنجیدگی سے دیکھا۔

“لڑائی جھگڑا بہت بری بات ہے۔ زندگی کو ہر دم خطرہ لگا رہتا ہے اور زندگی اتنی ارزاں تو نہیں کہ ہم اسے خطروں کی نذر کریں۔” ربیعہ نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

دانش چونک گیا۔

“یہ جان ہتھیلی پر لئے پھرنا ہمارے اپنوں کو دکھ بھی تو دے سکتا ہے۔”

“یہ میرے ذاتی معاملے ہیں۔ میں ظلم و زیادتی برداشت نہیں کر سکتا۔” گویا انداز یوں تھا جاؤ اور شکل گم کرو۔ تم کون ہوتی ہو میرے معاملاتِ زندگی میں بولنے والی۔

“ہاں ظلم و زیادتی تو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا مگر ہر عمل کا مثبت ردِعمل بھی تو ہو سکتا ہے نا؟”

“مثبت ردِعمل۔” اس نے سر جھٹکا۔

“یہ زندگی ہے اور یہاں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔” وہ تلخی سے مسکرایا۔ “آپ یہاں درس کا کام کرتی ہیں؟”

“نہیں جو لوگ زندگی سے بےزار ہوں بس ان لوگوں کے لیے کام کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ہم روگی لوگ شاید اس قدر ہی حساس ہوتے ہیں۔”

اس نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ جو دانش کو چونکا گیا۔ اس نے مڑ کر آگے بڑھتی اس لڑکی کو دیکھا جو اسے جانے کیا سمجھ گئی تھی۔

“کیسا...... کیوں؟” طاہر نے اک بار پھر سنجیدہ کھڑے دانش کو ٹہوکا دیا۔ “میں نے کہا تھا نہ کہ یہ غیر معمولی لڑکی ہے۔”

“غیر معمولی؟” دانش نے سر گھما کر اسے دیکھا۔ “یا توجہ حاصل کرنے کا ایک نیا طریقہ۔”

اس کے انداز میں استہزا تھا۔

“اسے کسی بھی محبت کا اعتبار نہیں
اسے زمانے نے بہت ستایا ہے”

اس کے ساتھ چلتے ہوئے طاہر گنگنایا اور جانے کیوں کہیں دانش کے اندر کچھ کلک کر رہا تھا۔

پہلی ملاقات اور اتنے ہارڈ قسم کے جملے‘ اتنی توجہ کیوں؟

سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا۔

کیا میری فرسٹریشن اتنی بڑھ گئی ہے کہ لوگ جاننے لگے ہیں میرے اندر کی بےچینی‘ اضطراب‘ اضطرار کیا...... کیا؟”

“رک کیوں گیا؟ کیا سوچنے لگا؟” آگے بڑھتے طاہر نے اپنا پہلو خالی دیکھ کر مڑ کر اسے دیکھا۔

“اس وقت آسمان پر ستارے نہیں سورج ہے چمکتا دمکتا آفتاب۔” طاہر شرارت سے ہنسا۔

دانش نے سر جھٹک کر قدم آگے بڑھا دیئے۔

“ربیعہ صلاح الدین تمہیں کیا ضرورت تھی بھڑوں کے چھتے کو چھیڑنے کی؟ اس سے اتنی ثقیل قسم کی گفتگو کرنے کی‘ اس کو سمجھانے کی۔ تم کہاں کی ناصح ہو۔” اس کے اندر کی ربیعہ اسے احساس دلا رہی تھی۔

رات کو اپنے بستر پر لیٹی تو دھیان کے سارے راستے صبح کے واقعے کی جانب دوڑنے لگے دل سرزنش کرنے لگا۔ ہاتھ میں پکڑی کتاب سینے پر رکھ دی۔ “اگر وہ کوئی غلط نتیجہ نکال لے‘ تمہیں سبق سکھا دے‘ تمہارے پیچھے پڑ جائے تو تم...... کیا کرو گی؟ تم نے اس دنیا کو اس زمانے کو ٹھیک کرنے کا ٹھیکہ تو نہیں لے رکھا نا‘ اور تم جو اتنی بولڈ ہو کر آگے بڑھی تھیں کیا تم احسن کو ٹھیک کر سکیں؟”

“احسن۔” وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔

اس کے اندر کا دکھ دھیرے دھیرے رسنے لگا۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ “ہاں اسے بھی میں نے بہت سمجھایا تھا مگر...... مگر۔” اس کے اندر کی محرومیاں‘ غربت‘ کسی کا احساس تشنگی‘ محبت کی کمی‘ اندر کا دباؤ‘ فرسٹریشن بہت بڑھ چکی تھی۔ وہ بہت باغی ہو چکا تھا۔ بغاوت نے اسے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ وہ اس گھر سے‘ اس معاشرے سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس لیے خود سے لڑتے لڑتے اپنی جان سے گزر گیا۔

“احسن‘ میرا بھائی۔” دل میں درد جاگا اور شب کی اس تنہائی اور گہرائی میں وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ “احسن...... احسن تمہیں بھی کتنا سمجھایا تھا مگر تم نے تو اپنی بہن کو قابلِ اعتناء ہی نہیں جانا تھا۔ تم پر انتقام لینے کا‘ کچھ کر جانے کا‘ کچھ حاصل کرنے کا جنون سوار تھا۔ تم کب سنتے تھے میری۔ تم اس گھر سے‘ اس معاشرے سے‘ اس نظام سے اپنا حصہ لینا چاہتے تھے۔ تمہیں انصاف چاہیے تھا اور انصاف کب ملا کہیں۔ اپنوں نے تمہیں دکھ دیئے اور تم جنونی ہو کر دوسروں سے انتقام لیتے رہے اور خود ایک رستا ہوا دکھ بن گئے۔”

اس نے آنچل سے چہرہ صاف کیا۔

دھیرے سے اٹھ کر کھڑکی کھولی۔ آخری راتوں کا چاند دھیرے دھیرے بادلوں کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔

ربیعہ نے گہری سانس لی۔ نم نم سی پلکوں کو دھیرے سے چھوا۔

میں...... میں بھی تو ہو گئی ہوں احسن۔ تم جیسا کوئی اضطراب و اضطرار کا مارا شخص دیکھتی ہوں تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو اس گہری دھند سے نکال لوں جس کی کوئی منزل نہیں ماسوائے اپنے آپ کو دکھ دینے اور کھو دینے کے...... بھلا نوعمری کوئی گزر جانے کی عمر ہوتی ہے۔

رات دھیرے دھیرے ربیعہ صلاح الدین کو اپنے حصار میں لیے گزرتی رہی۔ وہ اکیلی ہی اپنے دکھ پر ماتم کناں تھی کوئی غمگسار تھا نہ نگہبان۔ دوست تھا نہ ہمنوا۔



“پھر تم نے کیا سوچا ہے؟” صبح یونیورسٹی کے لیے نکل رہی تھی کہ آپا جان نے ناشتے کی ٹیبل پر انتہائی کروفر سے پوچھا۔ ربیعہ نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ چچی جان کی جگہ ان کی بیوہ بیٹی نے شانِ تمکنت سنبھال لی تھی۔

دھیرے سے اس نے نگاہ جھکا لی۔ اس کے وجود سے تنفر کا غبار تیزی سے بگولہ بن کر اٹھا۔ مگر جہاں شنوائی نہ ہو وہاں چپ سادھ لی جاتی ہے۔

“میں نے انکار نہیں کیا۔ سوچنا کیسا ہے۔ بس ذرا میری تعلیم مکمل ہو جائے فائنل ایئر ہے میرا میرا شوق ہے یہ۔”

“ہونہہ! شوق! بی اے کیا کرو گی اتنا پڑھ کر‘ کرنا تو ہانڈی چولہا ہی ہے نا خوامخواہ پیسہ اور وقت کا ضیاع ہے۔” ان کے نخوت بھرے انداز کو ایک نگاہ دیکھا۔

“چاند بھی زیادہ انتظار نہیں کر سکتا اسے تمہاری یتیمی پر ترس آتا ہے ورنہ اس کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔”

“میرے امتحان قریب ہیں اور میں فی الحال ڈسٹرب نہیں ہونا چاہتی۔” ربیعہ نے بیگ اور فائل اٹھا لی۔

''کہیں یونیورسٹی میں کسی سے ارادہ تو نہیں کرلیا؟'' نگاہ گھما کر ذومعنی انداز میں پوچھا۔

''مجھے اپنی حیثیت اور جگہ کا اچھی طرح علم ہے اور وہ ایک تعلیمی درس گاہ ہے اور میرا مشن صرف تعلیم حاصل کرنا ہے آپا جان۔'' لہجے کی پختگی نے ذرا کی ذرا آپا جان کو چونکا دیا۔ دوسرے لمحے سر جھکا کر ناشتے کی جانب متوجہ ہونے لگیں۔

اور کوئی جرح کے انداز کا سوال نہ پا کر ربیعہ باہر نکل گئی۔ صبح ہی صبح بدمزگی ہوگئی۔ نہیں بلکہ بدمزگی سوار ہوگئی۔

وہ لان میں نکل روش کی جانب بڑھی۔

شش...... شش کی مخصوص آواز پر سر اٹھا کر چھت کی جانب دیکھا۔ منہ میں پان ڈالے۔ ہونٹ لال کیے۔ بکھرے بالوں کے گچھے ماتھے پر گرائے ہاتھ میں دو...... دو کبوتر پکڑے چاند بڑی ہی دلبرانہ مسکراہٹ سے اپنی خوبرو حسین منگیتر کو آنکھ چندھیا کر دیکھ رہے تھے۔ ربیعہ کا اندر باہر کڑوا ہوگیا۔

''خدا حافظ۔ اگر کہیں تو گاڑی پر چھوڑ دیں۔'' منڈیر پر جھکے۔

''نہیں...... میری وین آنے والی ہے پھر آگے سے پوائنٹ تو مل ہی جاتا ہے۔'' تحمل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

تحمل، بُردباری، وقار نے ہی تو اس کی شخصیت کو تھام رکھا تھا۔ اس نے ایک کبوتر ہوا کے سپرد کر کے بڑے انداز سے خدا حافظ کہا۔

ربیعہ خلاصی پا کر سر جھکا کر گیٹ پار کرنے لگی۔

یہ چاند، یہ گہنایا ہوا چاند، دردر کی خاک چھانتا، میلا چاند...... اس کا ہم سفر ہوگا۔

اف سوچ کر ہی کراہیت آئی۔ یہ چاند ڈھل کیوں نہیں جاتا۔ اب شاید معجزے نہیں ہوتے۔ نظام نہیں بدلتے، دعائیں قبول نہیں ہوتیں، دکھ کم نہیں ہوتے، ظلم و زیادتی کرنے والوں کے احساس منجمد ہوئے جا رہے ہیں۔

ربیعہ کی پلکیں بھیگتی رہیں وہ چلتی رہی۔

کاش! کاش احسن امی ابو کوئی...... کوئی تو ہوتا اس کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کا حساب لینے کے لیے مگر نہیں۔

اس نے روڈ کراس کی۔ اس کے روٹ کی وین آ رہی تھی۔ بعض لوگ ازل سے بدقسمت ہوتے ہیں۔ ان کی ذات کو نحوست کا خمیر لگ جائے تو زندگی گزر جائے مگر زندگی نہیں بدلتی۔

وین رک گئی۔ سر جھٹک کر سنبھل کر وین میں سوار ہوگئی۔

نجانے کیوں آج نگار اور جاذبہ نہیں آسکی تھیں۔ اوپر سے دو پریڈ بھی فری تھے۔ وہ لائبریری میں آ کر نوٹس بنانے لگی۔

اور دانش لائبریری میں داخل ہوتے ہوتے چونک گیا۔ اردگرد سے بے خبر سر جھکائے لکھتی جا رہی تھی۔ جانے کیوں یہ لڑکی اسے خیام کا خیال یا خیام کی رباعی لگی۔ حالانکہ کل اس نے اگرچہ طاہر سے کہہ دیا تھا اور سستی شہرت اور توجہ حاصل کرنے کا نیا انداز نئے ڈھنگ ہیں مگر اس لڑکی کی باتوں نے اسے ڈسٹرب کیا تھا۔

اپنی ٹیبل پر بیٹھ کر اس کا جائزہ لیا۔ پیشانی تک گرا اسکارف جھکی ہوئی خمیدہ پلکیں، شہابی رنگت، سفید کاغذ پر متحرک انگلیاں، چہرے پر سنجیدگی اور متانت کا غمازہ۔ دل نے کہا یہ لڑکی ان سب سے مختلف ہے جو اس کے گرد ہیں۔ اس کے حلقۂ احباب میں شامل ہیں اور جو اس کی توجہ اور قربت کے لیے جان دیتی اور محبت کے لیے مرتی ہیں۔

دانش نے اپنی کتاب کھول لی مگر نگاہیں بھٹک کر اس جانب چلی جاتیں جس نے توجہ کے ارتکاز کو بہکا دیا تھا۔

کل کی باتیں اس کے دماغ میں گونجنے لگیں۔

اور پھر یکایک شرارت پھڑکی۔ اٹھ کر اس کی ٹیبل کی جانب بڑھا وہ شاید تھک چکی تھی۔ اب دھیرے دھیرے اپنی آنکھوں کو دبا رہی تھی۔ قلم سفید کاغذ پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔

آج طاہر کا میچ تھا اس لیے وہ ہمراہ نہیں تھا۔

وہ دھیرے سے کھانسا۔ ربیعہ نے آنکھیں کھولیں اور قدرے چونک گئی۔ ''آپ۔''

''ہاں...... میں نے سوچا کل کا لیکچر ادھورا رہ گیا ہوں کیوں کہ آپ بھی فری اور میں بھی فری ہوں۔

ربیعہ سنبھل کر بیٹھی۔

''نہیں میں فری نہیں ہوں۔ نوٹس بنا رہی ہوں۔ رہی بات لیکچر کے ادھورے پن کی تو اس کا مجھے احساس ہے مگر لیکچر وہاں ہی مکمل ہوتے ہیں جہاں سمجھ بوجھ ہو۔'' ساتھ ہی اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

وہ اس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گیا۔

''میں ایسا کند ذہن اور کوڑھ مغز بھی نہیں۔'' شرارت سے ہنسا۔ ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ یعنی وہ اسے مذاق سمجھ رہا تھا۔ ربیعہ نے تیزی سے بیگ بند کیا اور کھڑی ہونے لگی۔

''میں نے آپ کی دوستی کو قبول کرلیا تو آپ فرار ہو رہی ہیں۔''

ربیعہ نے کرنٹ کھا کر اسے دیکھا۔ یعنی کہ حد ہوگئی...... اور...... دوستی......

''آپ نے شاید میری باتوں کا غلط مطلب لیا ہے۔''

''شاید! اس لیے تو آیا ہوں کہ آپ وضاحت کردیں۔''

ربیعہ نے ایک بار پھر اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔ واضح شرارت رقصاں تھی۔ مٹھی پر چہرہ رکھے اسے دیکھ رہا تھا۔

یہ شخص! کچھ ملال بھرے رنگ سے دیکھا۔

''آپ نے شاید مجھے بھی غلط رنگ میں لیا ہے میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔''

''دراصل مجھے۔'' اس نے کان میں انگلی گھمائی۔ ''مجھے خیام کی رباعیاں تب تک سمجھ نہیں آتیں۔ جب تک کوئی سمجھائے نا۔''

ربیعہ کو یقین آگیا کہ ''وہ'' اسے مذاق سمجھ رہا ہے۔ عام سی لڑکی جو اچھی صورت و شکل دیکھ کر عشق کے گوڑے میں پھنس جاتی ہے۔

یہ یقین اسے بہت برا لگا۔

ایک نگاہ اس پر ڈال کر بیگ شانے پر لٹکایا، کتابیں سنبھالیں اور باہر نکل گئی۔

''ارے...... ارے......'' پیچھے سے وہ ہڑبڑا کر رہ گیا۔

''ربیعہ۔'' راہداری میں چلتے ہوئے خود کو سرزنش کی۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی کا قبلہ درست کریں۔ کسی بھی فرسٹریشن کا نکاس شاید یوں ہی ممکن ہوتا ہے۔ تم مت پرائی الجھن میں خوار ہو۔ تمہارا کوئی دشمن نہیں ہے جس سے رشتہ تھا وہی نہیں رہا تو...... تو...... بس میں چاہتی ہوں۔ ربیعہ رکی تھکی تھکی سی سانس لے کر ادھر ہی کنارے پر بیٹھ گئی۔

کوئی یوں نہ بکھرے...... ایسے نہ ٹوٹے جیسے احسن کی ذات ریزہ ریزہ ہوئی تھی۔

جیسے اس کی زندگی دھندلا گئی۔ ایسے...... ایسے...... نم پلکوں کو جھپکایا۔ فائل پر انگلیاں پھیرتے ہوئے ہونٹ کترنے لگی۔ احسن کا دکھ اس کی ذات کا دکھ بن گیا تھا۔ جاذبہ اور نگار نہیں آئی تھیں۔ اگلے دو پیریڈ فری تھے۔ اس لیے لائبریری میں جا کر کتابیں کھول لی تھیں۔ دل بہلانے کا بہترین ذریعہ لیکن وہاں فائل کی سطح کھرچنے لگی۔ گھر جا کر کیا کرتی وہی پرانے بہت خراب چہرے تعاقب کرتی نگاہیں اور دھندلایا ہوا چاند۔

ربیعہ کو جھرجھری آگئی۔ گھر کے ماحول سے یہاں کی فضا بہتر ہے خود کو سنبھالا اور لائبریری میں بیٹھا دانش خواہ مخواہ گم صم ہونے لگا۔ اس کی کمپنی میں لڑکیاں خوش ہوتی تھیں۔ اسے اہمیت دیتی تھیں۔ اس کی دوستی، اس کی محبت کا دم بھرتی تھیں مگر یہ دھیرے سے انگلیاں الجھے بالوں میں پھیریں۔ اس کے اندر بھی کچھ کلک کرنے لگا۔

میرا خیال ہے ربیعہ، دانش اچھا لڑکا ہے۔ میری زندگی اس کے ساتھ سے بدل سکتی ہے۔ اور کتاب کی ورق گردانی کرتی ربیعہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

اکثر میں نے اس کی ساحر آنکھیں بھی تجھ پر فدا ہوتے دیکھی ہیں...... مبہم سے انداز میں مسکرائی مگر میری زندگی میں ایسی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

''نکالی تو جاسکتی ہے نا۔ ہم دوسروں کی خاطر اپنی زندگی خراب تو نہیں کرسکتے نا...... آخر۔''

''پلیز نگار......'' کتاب بند کر کے چہرہ گھما لیا اس کی آنکھیں دھواں دھواں تھیں۔

''ہر انسان کا اپنی زندگی پر اتنا ہی حق ہے جتنا دوسروں کا...... ہم اپنی زندگی کی خوشیاں کیوں رہن رکھوا دیں۔ کیسے وہ چیزیں قبول کرلیں جو ہمیں پسند ہی نہ ہوں۔'' نگار کا انداز ناصحانہ تھا۔

''پلیز نگار! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

''اچھے دوست اچھے مونس، غم خوار ہوتے ہیں ربیعہ، اور میں تیرے لیے ایک اچھی امید بن جانا چاہتی ہوں۔ تیری زندگی ایسی نہیں ہے کہ اسے گہنائے ہوئے چاند کے سپرد کیا جائے۔''

''چاند۔'' دکھ کے گہرے احساس سے آنکھیں موند لیں۔

''چاند کی دیدہ دلیریاں بڑھتی جا رہی ہیں اوپر سے آپا جان کا تقاضہ تایا بابا کی خاموشی اور...... فائقہ کی معنی خیز ہنسی...... گھر میں ہوتی تو ایک خوف سا اس کے وجود میں سرایت کرتا رہتا...... یہ خوف شاید اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگا تھا جو نگار نے بھانپ لیا۔

''جب ہمارے لیے سوچنے والا کوئی نہ ہو تو ہمیں اپنے بارے میں سوچنے کا حق ہے ربیعہ اور میں چاہتی ہوں امید کی یہ کرن تیری زندگی کو جگمگا دے۔''

''اونہہ جگمگا دے۔'' گلابی آنکھیں اس پر آویزاں کیں۔ ''مجھ پر جو لگ رہا ہے وہ سود کے ساتھ لیا جائے گا۔''

''کیوں؟'' نگار تڑپ گئی۔ ''وہ تیرے خاندان کا حصہ ہیں۔ چچا، تایا ہیں، قرض اور سود کیسا اور حور کے پہلو میں لنگور اچھا لگے گا۔'' نگار کہتے کہتے پھر پٹڑی سے اترنے لگی۔

درد کی ایک لہر نے اس کے وجود کو بلا کر رکھ دیا۔

''نگار! میرے لیے کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔ شاید میں احسان فراموش نہیں ہوں۔

''بن جاؤ تو زیادہ اچھا ہے اس لیے کہ زندگی بہت لمبی ہے اور یہ کانٹوں پر چل کر نہیں گزاری جاسکتی۔''

''زندگی...... زندگی رہی کب ہے، میں تو بس زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں۔ امی، ابو، بھائی کی ناگہانی موت کے بعد تو زندگی کی خواہش رہی کب ہے۔''

اندرونی دکھ کے احساس سے آنکھوں کی سرخی بڑھی تو سخت ضبط سے ہونٹ کترے۔ ننھا سا خون کا قطرہ ہونٹ پر ابھرا۔ شدت سے رونے کی خواہش ابھری۔ کسی مونس و غم گسار کے کندھے پر سر رکھ کر...... مگر کب تک؟ یہ دکھ تو عمر بھر کا روگ تھا۔ اسے ہی سہنا تھا تو پھر نگار نے ترحم نگاہ اس پر ڈالی۔

''زندگی بھی بعض اوقات کیسے کیسے امتحان لیتی ہے۔''

''آج میرے گھر چلو۔'' نگار نے اچانک کہا۔

''نہیں۔ مجھے وقت پر گھر پہنچنا ہوتا ہے نہیں تو آپا جان۔'' بولتے بولتے چپ ہوگئی۔

''مجھے اب بھی یقین نہیں آتا کہ اتنی فرمانبردار قسم کی لڑکیاں آج بھی موجود ہیں۔ بچے تو اپنے والدین کی نافرمانی کر جاتے ہیں۔''

''والدین میں...... اور دوسروں میں فرق ہوتا ہے نگار...... میں نے کہا نا احسان مندی کا تقاضا یہی ہے کہ دوسروں کو شکایت کا موقع ہی نہ دیا جائے۔'' خود کو سنبھال لیا تھا تاہم چہرے پر سوگواریت تھی۔ اک اداس سا موسم ٹھہر گیا تھا۔

اور ٹھہرا ہوا ساون بھادوں نگار کو ڈسٹرب کر رہا تھا۔ ربیعہ سے حقیقی معنوں میں انسیت ہوگئی تھی۔

''چلو'' بیگ سمیٹ کر کھڑی ہونے لگیں۔
''آج لائبریری میں نہیں گئے۔ فضول باتوں میں وقت گزر گیا۔''
''نہیں۔'' نگار نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
''میں ماڈ ضرور ہوں مگر حساس بھرا دل رکھتی ہوں۔ دوسروں کا خیال بھی رہتا ہے۔ مجھے اور کچھ کرنے کو دل بھی چاہتا ہے۔''
''کیا؟ مثلاً۔'' مسکرا کر اسے دیکھا۔ ''کیا کر سکتی ہو تم میرے لیے؟''
''دل والوں کو ملا تو سکتی ہوں۔''
''دل والے کون......؟'' اچنبھے سے انداز میں دیکھا۔
جواب میں نگار ذومعنی انداز میں ہنس دی۔



''آپا! میرا خیال ہے کہ نکاح کر کے رشتہ پکا کر لیں۔ یونیورسٹی پڑھ رہی ہے۔ کل کو اگر کسی کے ساتھ آنکھ مٹکا کر لیا پھر...... ہاتھ ملتی رہ جایئے گا پھر۔''
یہ...... یہ رضیہ باجی تھیں جو آپا جان کو نئی راہ دکھا رہی تھیں۔ ربیعہ دروازے کے باہر ہی لگ گئی۔
دھلے ہوئے کپڑوں پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔
''ارے بھاگے گی کیسے؟ چار چوٹ کی مار گاؤں گی معاہدہ ہوا ہے ایسے تو نہیں لگا میں ڈھیلیں کیں۔'' آپا جان کے لہجے کا طنطنہ سردلہر کی صورت اس کے وجود میں اتر گیا۔
یہ گھر یتیم خانہ نہیں تھا۔ میرے باپ کی حلال کی کمائی پر پل رہی ہے۔ کیا چھوڑ کر مرا تھا اس کا باپ۔
''میرا باپ آپ کا چچا بھی تو ہوتا ہے نا۔'' آنکھیں بھیگ گئیں۔
اس پر لفنگا بھائی جانے کس کی شہہ پر جائداد میں حصہ مانگتا تھا۔ اپنا حصہ تو کھا پی کر ڈکار مار بیٹھے۔
لوگ یہ اپنے لوگ آخرت کو خدا کی بے آواز لاٹھی کو صبر و استقامت کو کیوں بھول جاتے ہیں کہ...... کہ بھیگے رخسار صاف کیے۔
وہی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے۔
وہی خدا ہے۔
زمین کے نا خدا...... کب تک کب تک۔
دھیرے سے پلٹنے لگی اور...... پھر قدم رک گئے۔
''شکر ہے احسن کا ٹنٹنا ختم ہوا...... جل مر گیا۔ اپنی آگ میں حسد رقابت کی آگ نے کھا لیا اسے...... یہ ہی انجام ہوتا ہے بدنظری کا۔''
اف اتنا بڑا الزام کچھ تو خوف خدا کریں۔ ربیعہ کو پرغرور لہجے پر ترس آنے لگا۔
''بھاگ کہاں سکتی ہے احسان چکائے بغیر...... شادی تو اس کی چاند سے ہی کروں گی۔ پسند ہے میرے چاند کو تو کیا کروں؟'' ربیعہ کا دل کانپ کر رہ گیا۔
''ایسے ہی تو نہیں لگا رہے۔''
ربیعہ بھاگی اور ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے اپنے کمرے تک پہنچی رونا اس کے اختیار میں تھا۔ جی بھر کر رو سکتی تھی۔ سو روئے گئی۔
واقعی وہ اپنی نہیں کر سکتی تھی اس گھر سے فرار ممکن نہیں۔ اتنے مانوس ہو گئے تھے صیاد سے اب رہائی مل بھی جائے تو مر جائیں گے کے مصداق...... یہ گھر اس کی پناہ گاہ تھا۔ باہر کے سرد و گرم سے بچا کر رکھا ہوا تھا۔ کیسے...... کیسے وہ چھوڑ جاتی ہزار چاہنے کے باوجود مگر مرے ہوئے ماں باپ کا منہ کالا کرنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ ان کی بے چارگی اور حرمت پر آنچ آنے نہیں دینا چاہتی تھی۔ چاہے اس کی روح تک رنجور ہو...... اور...... جسم زخم زخم...... کسی ہم نفس۔ کسی چارہ گر کے بغیر ہی اسے زندگی کا یہ سفر اب طے کرنا تھا۔
تکیے سے سر اٹھایا۔ اپنی متورم پلکوں کو چھوا۔ بھیگے مژگان صاف کیے۔ ریزہ ریزہ دل کو سنبھالا۔
آج چھٹی کا دن اور بہت سے گھر کے کام نمٹانے تھے۔
احسان مندی کا تقاضا یہ بھی تو تھا کہ چپ چاپ سہہ جائیں اور اف کچھ نہ کہیں۔



''اہو اف شاندار وہ جو نہا کر نکلی تھی تو بھوک کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔ تو احساس ہوا کہ کام نمٹانے کے چکر میں صبح سے بھوکی ہے۔
''ابھی کھاتی ہوں۔'' رات کے گیارہ بج رہے تھے۔
کسی کو کھانے کا احساس نہیں تھا حالانکہ اتوار کو کھانا پکانا اس کی ہی ذمہ داری ہے مگر اسے کسی نے نہیں پوچھا تھا۔
بھوک کا احساس کچن تک لے آیا۔
کھانا گرم کر رہی تھی کہ ان ستائشی الفاظ نے چونکا دیا۔ بے اختیار پلٹی اور ٹھٹھک گئی۔
کچن کے دروازے میں چاند ایستادہ تھا۔ آنکھوں میں چمک فخر تھا۔ اس کے دراز بھیگے ہوئے بالوں کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بے اختیار دوپٹہ پھیلا لیا۔
''آپ...... کچھ چاہیے تھا کیا؟''
''ہاں...... بہت کچھ...... رہائی' آزادی' ذاتی خوشی اور...... اور......''
ربیعہ نے کڑوا گھونٹ بھرا۔
''مگر فی الحال ایک کپ چائے۔''
کھانا سائیڈ پر رکھ کر چائے بنانے لگی۔
چائے بنا کر ایک کپ انہیں دیا۔ ایک اپنی ٹرے میں رکھ لیا۔ ادھر ہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئے۔ ربیعہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔
''اوہو شب ڈھلے' اس چھت تلے' یہ کچھ بھی ہوتا ہے۔'' رضیہ باجی کی آواز نے قدم روک دیے۔
''آیئے۔ آیئے کیا زبردست چائے بنی ہے۔''
''ارے بنی کیوں نہیں ہو گی۔ آخر چاہنے والوں نے بنائی ہے۔''
ان کا گرم لہجہ اس کے کانوں کو سنسنا گیا۔
''میں تو کہتی ہوں چاند اب شادی کر ہی ڈالو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ......'' وہ شاید اس کو سنا رہی تھیں اور چاند کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔
ربیعہ نے اپنے کمرے میں جانے میں چند ثانیے لئے۔
وہاں جبری محبت نامہ شروع ہو چکا تھا۔



بک ایشو کروا کر لائبریری سے نکلی تو اس کا ٹکراؤ اندر آتے دانش سے ہو گیا۔
''آج کچھ اور بھی مانگتا تو مل جاتا۔''
اک نگاہ دیکھ کر رہ گئی۔ ''کیوں؟''
''کیوں؟'' اس نے دھیرے سے سر کھجایا۔ ''یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔''
ربیعہ نے قدم آگے بڑھا دیے۔
''ربیعہ پلیز!'' پلٹ کر اس کے ہم قدم ہوا۔
''کیا آپ میرے گروپ میں شامل ہوں گی۔'' ربیعہ کے قدم رک گئے۔
''اچھا پھر مجھے اپنے گروپ میں شامل کر لیں۔'' سر کھجاتا اس کی نظروں کا مفہوم بھانپ گیا۔
''آپ نے مجھے بہت غلط سمجھ لیا ہے۔''
''نہیں۔'' سامنے دیکھا۔ ''میں نے آپ کو بالکل ٹھیک سمجھا ہے کہ ہمیں بالکل کوئی حق نہیں ہے کہ ہم دوسروں کی خاطر اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالیں اور یہ کہ زندگی ہماری ہے۔ ہمیں اپنے طور ہی اسے گزارنا چاہیے۔ ہم غصہ کر کے دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑتے یہ سراسر ہمارا ہی خسارہ ہے تو ہم اپنی زندگی کے لیے ایسا رسک کیوں لیں۔'' سر گھما کر اسے دیکھا۔ اور وہ اندر تک ٹھٹکی۔ اتنی جلدی اتنی بڑی بات سمجھ آ گئی۔
''اور یہ کہ آپ دوسروں سے بہت مختلف ہیں۔''
تو...... یہ اب مجھے ایسے استعمال کرے گا۔ ربیعہ نے سوچا۔
''اوکے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے صحیح سمجھا۔ دوسری بات یہ کہ مجھے کسی گروپنگ کی ضرورت نہیں ہے۔''
اپنے قدموں کی رفتار تیز کی۔
''لیکن ایک ناصح کی ضرورت ہے نا۔''
وہ آواز پر پلٹی۔ دانش سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''بعض چیزیں وہ نہیں ہوتیں جو ہم سمجھتے ہیں اور ناصح ساری عمر ساتھ نہیں رہتے۔ عمر کی اس منزل پر ہمیں اپنا ناصح خود ہی بن جانا چاہیے۔''
دانش دیکھتا رہ گیا اور اس کے قدم آگے بڑھتے چلے گئے۔
اس ماحول میں اپنے حالات کے تحت وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس لیے کہ جانتی تھی کہ چاند اکثر یونیورسٹی کے چکر لگاتا رہتا تھا۔
اور وہ کوئی رسک لینا نہیں چاہتی تھی۔
''ربیعہ! دانش مجھ سے پوچھ کر تمہاری طرف آیا تھا اور تم نے دوٹوک جواب دے کر اچھا نہیں کیا۔ زندگی میں اچھے راستے یوں ہی نکلا کرتے ہیں۔''
ربیعہ سن سی ہو گئی۔ نگار کی سمجھداری پر۔
''اور اگر راستہ نہ ملے تو ہمیں بنا لینا چاہیے۔''
''اگر میں کہوں کہ میرا نکاح ہو چکا ہے تو پھر؟'' اس نے دھیرے سے کہا۔
''تو پھر یہ کہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تمہاری منگنی ہوئی ہے اور شاید وہ بھی نہیں' صرف بات چیت ہے اور میں اچھی دوست ہونے کے ناتے تمہیں یہ جوا نہیں کھیلنے دوں گی۔'' اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''دانش تمہارے لیے کچھ سیریس ہو گیا ہے۔''
''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔'' اس نے جھٹکے سے ہاتھ کھینچا۔
''کیسی باتیں کر رہی ہو تم بھلا جو کل تک مذاق تھا وہ...... وہ۔''

"نہیں۔ وہ مذاق نہیں تھا تمہارا تو جہ کا ارتکاز دھیان کے سب راستوں میں جب آس کا گزر راور...... اور تمہاری ہی تو خواہش تھی کہ وہ جنگجو ہیرو سے نرم خو شہزادہ بن جائے تو......تو۔"
"نگار!" اس لفاظی اور نگار کی مسکراہٹ نے چونکا دیا۔
"میں......تو......میں تو......" ربیعہ نے وضاحت کرنا چاہی۔
"بس اور وہ تمہارے لیے سیریس ہو گیا ہے۔"
"کیا؟" اسے جھٹکا لگا۔
"تمہاری منفرد سی ذات اسے متاثر کر گئی۔" مزید انکشاف کیا۔
"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا تم جانتی ہو کہ......"
"بس وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"
"نگار! یہ تم کیا کھیل کھیل رہی ہو۔ میں یہاں پڑھنے آتی ہوں۔ رشتے جوڑنے نہیں اور اسے میں نے اس نظر سے نہیں دیکھا۔ وہ تو بس ایسے ہی۔"
"ربیعہ!" نگار نے ملال سے اسے دیکھا۔
"اچھی اور خالص محبت ہر کسی کو ہر حال میں نہیں ملتی۔ یہ کسی کسی کا نصیب ہوتی ہے اور تم اس کی قدر کرو۔"
"چلو اٹھو کلاس ہونے والی ہے۔"
"اب دانش تم سے ملنے آئے تو آرام سے بات کرنا۔" اس کے ساتھ کھڑی ہوئی ربیعہ نے بدک کر اسے دیکھا۔ نگاہ غلط ڈالے بغیر نگار آگے چلنے لگی تو ربیعہ بھی پیچھے ہولی۔
اس روز انگلش ڈپارٹمنٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے دانش سے ٹکراؤ ہوا تو غیر معمولی طور پر اس کے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ دل دھڑک دھڑک گیا۔ دانش کے ساتھ چاند بھی تھا۔ منہ میں پان چباتا۔ عقابی نظروں سے دیکھتا۔ دانش اسے دیکھتا ہوا چاند کی جانب جھک کر کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کا حلق تک خشک ہو گیا۔
کسی بھی نئی کہانی کا عنوان بننے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ جانے دانش نے کیا کہا ہو۔ چاند نے کیا سمجھا ہو وہ تو پہلے ہی شک کی دلدل میں پور پور دھنسا ہوا تھا۔
یونیورسٹی میں دل ہی نہیں لگا۔ باقی کے تینوں پیریڈ بمشکل اٹینڈ کیے۔ گھر جانے کے خیال سے ہی دل گھبرا رہا تھا۔
تب ہی ماریہ کی سالگرہ اٹینڈ کر کے نگار اور جاذبہ آ گئیں۔ تب ہی محبت سے جاذبہ ادھر سے ہی ہاتھ ہلاتی آگے بڑھ گئی۔
"اسے کیا ہوا......کہاں گئی یہ؟"
"اسے چھوڑو......اسے تو کچھ ہوتا ہی رہتا ہے تم سناؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟ رنگ اتنا زرد کیوں ہو رہا ہے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟"
"نگار! سمیر (چاند) میرا کزن یونیورسٹی آیا ہوا ہے اور ابھی میں نے اسے دانش کے ساتھ دیکھا ہے۔ اس نے میرے بارے میں دانش کو کچھ کہا ہے۔" ربیعہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔
"دھیرج......دھیرج......تو کیا ہوا......؟ اچھے لوگوں کی تو ہر کوئی تعریف کرتا ہے نا۔" اسے پریشانی کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔
"نہیں نگار! تم میرے گھر والوں کو نہیں جانتیں......وہ......وہ......"
"اب تمہاری شادی میں جان جاؤں گی۔ دانش باقاعدہ رشتہ بھیج رہا ہے تمہارے لیے۔ تم اس سے بات نہیں کرنا چاہتیں تو مت کرو۔ اب وہ اس طریقے سے تم سے ملے گا۔"
"نگار!" خشک ہوتے خون کے ساتھ گنگ ہو گئی۔
"اس سلسلے میں دوست سب سے بڑے ہمنوا اور ہم راز ہوتے ہیں۔" ذو معنی انداز میں مسکراتے اسے دیکھتے ہوئے نگار نے بڑے آرام سے کہا اور ربیعہ کو زندگی کا ہر در اپنے لیے بند ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ سب راستے روزن اندھیرے میں ڈوبتے ہوئے لگ رہے تھے۔
شادی تو میں اس کی چاند (سمیر) سے کروں گی۔ ذرا جو کلس کر دیکھے۔
ربیعہ کو اپنی روح فنا ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ "کیا بتاتی' کیا سمجھاتی نگار کو؟ وہ تو کوئی اور کہانی ہی رقم کرنا چاہتی تھی۔
"نگار! سمیر میرا وہ کزن ہے جس کے ساتھ مجھے زندگی گزارنی ہے۔ آگے چل کر اور وہ انتہائی شکی مزاج' نفسیاتی مریض ہے۔ تنگ نظر ہے اور میری پوزیشن تم جانتی ہو۔"
اور نگار کی سمجھ میں آ گیا۔ اس کا گھبرانا۔ اڑی ہوئی رنگت اور پر تفکر پریشان چہرہ۔
"ربیعہ!" تسلی آمیز انداز میں ہاتھ تھام لیا۔ "قسمت پر تو یقین ہے نا تمہیں۔"
"اب تو مجھے کسی چیز پر یقین نہیں' حالات و واقعات نے مجھے بہت بدل دیا ہے اور میں دوسروں کے دماغ سے سوچتی ہوں۔" وہ بہت زیادہ ڈپریس نظر آ رہی تھی۔
"اچھا چلو آؤ۔ کولڈ ڈرنکس لیں۔ اس کے بعد انگلش ڈپارٹمنٹ چلیں گے۔"
"نہیں۔" اس نے نگار کے بہلانے کے انداز کو نظر انداز کر دیا۔ "نہیں سر عباس کی کلاس لوں گی اگر نہیں تو گھر جاؤں گی۔" ربیعہ نے خشک سے انداز میں سر جھٹکا۔
"ربیعہ!" نگار نے اس کا بازو تھام لیا۔ "ہمیں خود کو خوامخواہ سزا دینے کا حق نہیں' جب تمہارے دل میں چور نہیں ہے تو پھر اس قدر ہونق کیوں ہو رہی ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ تمہارا وہم ہی ہو۔"
"وہم۔" اس نے اطراف میں نگاہ کی۔ "کاش! یہ وہم ہو۔ جہاں جس مکان میں رہتی ہوں وہاں لوگوں کو رائی کا پہاڑ بنا لینے کی عادت ہے اور میں ان کے لیے انسان نہیں پراپرٹی ہوں ان کے لیے ضرورت ہوں اور ضرورت کو کون فارغ کرتا ہے۔"
نگار نے ربیعہ کے وجود سے کھلتی پرت پرت گرہ کو بڑی حیرت سے سنا۔
"ایسے لوگوں کے ساتھ تم زندگی گزار سکتی ہو۔ ساری عمر؟"
"ہاں۔ ساری عمر۔" اس کا لہجہ تھکا ہوا' کچھ بھیگا ہوا درد کی دلدل سے نکلا ہوا تھا۔
"مجھے قرض ادا کرنا ہے سود کے ساتھ۔ "گزرے لوگوں کے وجود پر لگے الزامات دھونے ہیں۔" اس کی آنکھوں میں یاس تھی۔
"ایک بات یاد رکھنا زندگی ہماری ہے اور ہم اسے دوسروں کے تابع کر سکتے ہیں اور نہ دوسروں کی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ زندگی صرف ہماری ہے اور ہمیں ہی اسے اپنے لیے جینا ہے۔ تم اسٹینڈ لو میں تمہارے ساتھ ہوں۔"
"ہا......ہا۔" اس نے گہری سانس لی اور کتابیں سمیٹ کر کھڑی ہوئی۔
"کہاں؟"
"گھر......اک نئے الزامات کی فہرست کے ساتھ اور شاید۔" ٹھٹک کر نگار کو دیکھا۔ اس کے پیچھے سے نظر آتے در و دیوار پر نگاہ کی۔ سبز درختوں پر نگاہ ڈالی۔ سر گھما کر آتے جاتے اسٹوڈنٹ' بے فکری سے قہقہے لگاتی لڑکیوں کو دیکھا۔ اس اکلوتے ہار سنگھار کے درخت کو دیکھا جس کے پھول اسے بہت پسند تھے۔ محبت کا سمبل کہتی تھی انہیں اور جس کے پھول اکثر شرارت میں نگار نے اسے تحفے کے طور پر دیئے تھے۔
"شاید میں کل سے یونیورسٹی نہ آ سکوں۔ پڑھائی کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکوں اور تمہارے لیے ماضی بن جاؤں۔"
"کیا؟" نگار جھٹکے سے کھڑی ہوئی تلخ اور کسیلی ہنسی نے اس کے چہرے کا احاطہ کر لیا۔
"ہاں۔ یہ سچ ہے۔"
"مائی گاڈ۔" نگار نے سر تھام لیا۔ "اتنے دقیانوسی اور چھوٹی ذہنیت کے لوگوں کے درمیان تم رہتی ہو۔ ان کی حدود کو سہتی ہو اور احتجاج بھی نہیں کرتیں۔"
"احتجاج وہاں ہوتا ہے جہاں سنا جائے۔ احساس ہو رشتوں کا اور جو دینا جانتے ہوں' جو صرف لینا اپنا حق' قرض سمجھتے ہیں ان سے کیسا احتجاج۔"
"ربیعہ! تم کیسے دوسروں کے فیصلے اور دوسروں کی دی ہوئی عمر جی رہی ہو۔ جب بری ہو تم' سوتیلیوں جیسا سلوک ہے تمہارے ساتھ تو......توڑ دو یہ زنجیریں......یہ قفل پھیرے اور حدود میں' یہ سب لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔" نگار رحم نگاہوں سے دیکھتی نئی راہ دکھا رہی تھی۔ ایک نیا راستہ اور ہر راستہ اسے پتا تھا مگر نگار اس کا کہا سمجھی ہی نہیں تھی۔ کہ گزرے لوگوں کے لگے الزامات دھونے ہیں۔ قرض ادا کرنا ہے سود کے ساتھ۔
"خدا حافظ۔" ایک دم سے اٹھی اور گیٹ کی جانب بڑھتی چلی گئی۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور چال کا انتشار نگار سے چھپا ہوا نہیں تھا۔ ایک دکھ' ایک ملال سا نگار کے وجود میں اترتا چلا گیا۔ کچھ کرنے کی خواہش تناور درخت بننے لگی اور پھر ایک دم سے چونکی۔
اس شخص کو ضرور دیکھنا چاہیے جو اتنی نفیس' نائس' پیاری' ذہین اور خوب صورت لڑکی کا منگیتر ہے۔
بے اختیار کتابیں سمیٹ کر ادھر ادھر دیکھتی انگلش ڈپارٹمنٹ کی جانب بڑھی اور تھوڑی دیر بعد انہیں دیکھ لیا۔ دانش کے ساتھ آتا وہ شخص اس کے قدم ٹھٹک گئے۔
سرمئی کلر کے ملگجے سے شلوار قمیص میں ملبوس پان چباتا' گندمی رنگت والا وہ شخص ہلکی ہلکی بڑھی شیو' گندا سا حلیہ ہو رہا تھا کسی طور پر بھی ربیعہ صلاح الدین کے قابل نہ لگا۔
"ہاں کیا ہوا نگار! ایسے کیوں کھڑی ہو؟"
دانش اس کے قریب آ گیا۔ نگار نے اپنی نظروں کا زاویہ تبدیل کر لیا۔
"آں......ہاں......کچھ نہیں۔ وہ دراصل......میں۔" اس سے کوئی جواب نہیں بن پایا۔
"یہ میرے دوست سمیر یزدانی عرف چاند۔"
جواب میں ایک کراری تیکھی نگاہ ڈال کر رہ گئی۔
سمیر نے اس طرز تغافل کو پان چباتے ہوئے حیرت سے دیکھا اور نگار ضروری کام کا کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ اک نگاہ میں پیچھے کھڑے شخص کو جان لیا تھا اور صدق دل سے ربیعہ کی خوشیوں کے لیے دعا کی مگر دعائیں بھی جب قبول ہوتی ہیں جب انسان اپنے بارے میں سوچے۔



"تو یونیورسٹی کی یہ مصروفیات ہیں۔"
ربیعہ باوجود ذہن بھٹکنے کے خود کو کتابوں میں مصروف کر رہی تھی۔ اس آواز پر اچھل پڑی۔ دل ایسے ہی کسی لمحے کا منتظر بھی تھا۔
"کیا مطلب؟" مڑ کر تیکھی نظروں والے کھڑے چاند کو دیکھا۔
"رنگ رلیوں کا سامان بھی پڑھائی کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔"
اور وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔
"وہ یونیورسٹی ہے کون مجھے جانتا ہے اور کون نہیں اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں' بات یہ ہوتی ہے کہ ہم کسی کو کتنا جانتے ہیں۔" فائل بند کر کے کتاب کھولی۔ مصروفیت کا اظہار تھا۔
"تو تم اسے کتنا جانتی ہو؟" باقاعدہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئے۔
"صرف یونیورسٹی کی حد تک' میں وہاں تعلقات بنانے یا کسی کو جاننے نہیں جاتی۔"
"اچھا۔ وہ تو بہت انٹرسٹ لے رہا تھا۔"
"یہ اس کا مسئلہ ہے میرا نہیں۔" ربیعہ کو غصہ آنے لگا۔

''اچھا۔'' وہ کان میں انگلی ڈال کر زور زور سے ہلانے لگے۔ اچھا میں نے کیا کیا تھا۔ ربیعہ کھول کر رہ گئی۔

''تمہیں معلوم ہے تم تعلیم میری وجہ سے حاصل کر رہی ہو ورنہ آپا تو سخت خلاف ہیں تمہارے یونیورسٹی جانے پر۔ ان کی مرضی تو چٹ منگنی اور پٹ بیاہ پر ہے۔'' اس کی نظریں اسے خود پر چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اور الفاظ پتھر لگ رہے تھے مگر خاموشی اس کا ظرف تھا۔ کس کس بات کا جواب دیتی۔

''کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟'' مڑ کر انہیں دیکھا۔ بمشکل خود پر کنٹرول رکھا۔

''یہی کہ مجھے سچ سچ بتا دو۔ وہ تو کچھ اور کہہ رہا ہے۔''

''کیا؟'' ربیعہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

''تم سمجھ دار ہو کافی۔'' اٹھ کر اس کے مقابل آئے۔

''یہ آپا لوگوں کے لیے کافی نہیں کیا۔'' اس شک پر وہ رونا چاہتی تھی۔

''نہیں۔'' صفاچٹ لہجہ تھا۔

''سنو دل لگا کر پڑھو۔ پھر میں تمہاری تعلیم کے بعد جاب کا بندوبست کرتا ہوں۔ بہت اچھی آفر ہے میرے دوست کے پاس۔ تمہارے رزلٹ کا انتظار ہے۔'' کھڑے کھڑے انگڑائی لی۔

''جاب؟'' وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''تو اور کیا' کیا میں ایسے ہی رقمیں لگا رہا ہوں۔'' اس کے تعجب پر حیران ہوا۔ ''پھر میں آپا سے کہتا ہوں شادی کی تیاریاں کریں۔'' اس پر بھرپور نظر ڈالتا ایک ہاتھ سے رخسار پر گری لٹ کو چھوتا گنگناتا باہر نکل گیا۔ اپنی سنا کر اپنی کہہ کر تو شاندار سی جاب کرے گی بیٹھ کر کھائے گی نہیں بلکہ کما کر کھلائے گی۔

''اوہ۔'' وہ ڈھے سی گئی۔

چادر اور چار دیواری کا تحفظ ...... گھر اور دریچے کی خواہش ...... خواہش ہی رہے گی۔ آنکھیں بھریں اور برس پڑیں۔

باقی ماندہ عمر کے رستے ہوئے دکھ اس کے سامنے تھے۔

آنکھیں بھیگ رہی تھیں اور وجود میں سناٹے اتر رہے تھے۔

☆☆☆

صبح اپنے کمرے سے یونیورسٹی کے لیے نکل کر تو یہ خدشے تھے کہ وہ جا نہیں سکے گی۔ چاند نے آپا جان کو بتا دیا ہو گا وہ اتنا ہی شکی' وہمی تھا مگر لاؤنج میں ایسی کوئی صورت حال نہیں تھی۔ آپا جان کی شاید ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ تایا جان اخبار دیکھ رہے تھے۔ چائے پی کر باہر نکلی تو لان میں چاند کبوتروں کے ساتھ مشغول تھا۔ اسے دیکھ کر ہنسا معنی خیزی سے۔ حسب معمول ڈراپ کرنے کی آفر کی وہ خدا حافظ کہتی ہوئی نکلتی چلی گئی۔ تاہم دل میں حیران تھی کہ سمیر نے آپا جان کو کیوں نہیں بتایا۔ حالانکہ تضحیک کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے یہ لوگ۔ امی' ابو اور پھر احسن کے بعد تو زرخرید ایسی حیثیت تھی اس کی۔

اس گھر کی بیٹی' کزن' بھتیجی تھی مگر اس کی زندگی سے رشتوں کا مان ختم ہو گیا تھا۔

''کیوں؟'' تکتے تکتے گھر پر نگاہ کی۔

''کیا واقعی یہ سب اس کے باپ کی محنت سے لگایا ہوا سرمایہ ہے۔

امی ٹھیک ہی کڑھا کرتی تھیں۔

احسن کی ٹینشن اور فرسٹریشن ٹھیک تھی۔

اور کیا اپنے اتنے ہی شقی القلب ہوتے ہیں۔ خود بخود ہی ہنس دی۔

اپنے مارتے ہیں تو سایہ بھی دیتے ہیں۔

آہ ...... تپتی چھاؤں۔

یونیورسٹی وہ انہی خیالوں میں گم پہنچ گئی اور اپنے مخصوص گوشے میں نگاہ پڑتے ہی چونک گئی۔ نگار' جاذبہ اور ثنا کے ساتھ دانش اور طاہر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ لوگ سنجیدگی سے کسی مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے۔

وہ ایک نگاہ ڈال کر بیٹھ گئی۔

کافی دنوں سے وہ دانش میں تبدیلی سی محسوس کر رہی تھی۔ وہ لڑائی بھڑائی ایک دم سے الجھ پڑنا' لڑنا' سب ختم تھا۔ چہرے پر ایک سکون سا تھا۔ زیادہ تر وہ کلاس اٹینڈ کرتا یا پھر نوٹس کے لیے ادھر ادھر بھاگتا نظر آتا۔

دانش نے صلح کن مسکراہٹ اس پر اچھالی۔

نگاہ چرا کر نگار کو دیکھا جو خاصی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کل کی گفتگو یاد آ رہی تھی۔

''ربیعہ!''

''نگار! کوئی کلاس نہیں ہے آج؟'' اس کی نظروں کا مفہوم جان لیا۔

''نہیں ...... مگر تم۔''

''آؤ پھر لائبریری چلیں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''مس ربیعہ! کبھی ہمیں بھی کمپنی دے دیا کریں۔''

''اور کیا' آپ کو کیا معلوم کہ ہمیں کتنے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔'' طاہر بھی مسکرایا۔

ربیعہ خاموشی سے ایک نگاہ ان پر ڈال کر نگار کو دیکھنے لگی۔

''بیٹھ جاؤ ربیعہ آج پڑھنے کا بالکل موڈ نہیں ہے بس اسائنمنٹ کے سلسلے میں کتابیں جمع کریں گے اور گھر چلیں گے۔'' دل کش انداز میں مسکرائی۔

''ٹھیک ہے تم بیٹھو میں ذرا اردو ڈپارٹمنٹ سے ہو کر آتی ہوں۔'' وہ پلٹ گئی تو نگار فائل اٹھا کر اس کے پیچھے بھاگی۔

''کیا ہے ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتی ہو۔ ناراض ہو کیا ہوا؟ کل تم کیا کہہ رہی تھیں اور آج نظر آ رہی ہو۔ سب خیریت تو ہے نا؟''

''ہاں۔'' ایک سانس میں کیے جانے والے سوالوں کا مختصر ترین جواب دیا۔

''تمہارا کزن بالکل فضول اور نان سینس ہے۔ بالکل بھی اس کے ساتھ تم زندگی نہیں گزار سکتیں۔ سنا تم نے؟'' ناک کی سیدھ میں چلتی ربیعہ کو دیکھتے ہوئے اس کا بازو تھام کر روکا۔

''نگار! یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں کوئی نہیں بول سکتا۔ حتیٰ کہ میں بھی نہیں۔'' خالی نگاہ اس پر ڈالی۔ ''فیصلہ تو شاید ہو چکا ہے۔ بس عمل درآمد ہو رہا ہے۔'' تھکی تھکی سی آواز تھی۔

''کوئی عمل درآمد نہیں ہو گا۔ سمجھیں تم' میں اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔'' سنگی بینچ پر بیٹھ کر اس کا بازو گھسیٹ لیا۔

''ہونہہ۔'' سنبھل کر فائل گود میں رکھی۔

''دانش کی فیملی اچھی ہی نہیں بلکہ بہت زیادہ اچھی' ویل ایجوکیٹڈ اور ویل آف ہے بس۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں۔ اس سلسلے میں۔'' اطراف میں نگاہ کی۔

''تم بھی تو پارٹ آف دا اسٹوری ہو۔'' اسے ثنا نے سے ٹہوکا دیا۔

''میری زندگی تو رہن رکھی جا چکی ہے۔''

''سنو! تم اپنی زندگی کی بہتری کے لیے سوچ لو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور دانش تمہارے لیے بہت سیریس ہے۔ رشتہ بھیج رہا ہے تمہارے لیے' کیا سمجھیں تم؟''

نگار نے اس کے سر پر بم پھوڑ دیا۔ کتنے لمحے تو بول ہی نہ سکی۔

''تم لوگ ایسی کوئی بھی کوشش مت کرو۔ میں ان کے لیے سونے کی کان ہوں۔ ویسے مجھے حیرت ہے سمیر نے کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا۔ کل کہہ رہا تھا کہ میں نے ایسے ہی تو رقمیں نہیں لگائیں جلدی سے تعلیم مکمل ہو تو میں نوکری دلاؤں ...... سنا تم نے۔ وہ لوگ مجھے اس لیے پڑھا رہے ہیں کہ میں اس نکھٹو' حرام کو باقی عمر کما کر کھلاؤں۔'' اس کے لہجے میں لرزش تھی۔ ''مجھے تمام عمر ناکردہ گناہوں کی سزا ملتی رہے گی۔'' وہ گویا غائب دماغی سے بولتی جا رہی تھی۔

''خدا ایسے ظالموں کو سزا ضرور دیتا ہے۔ ظلم کی رسی کب تک دراز ہو گی۔'' نگار نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''خدا سب کے ساتھ ہے۔''

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''خدا سب کے ساتھ ہے تم خود کو مضبوط کرو۔ دانش سے بات کرو۔ مجھے وہی تمہارے مسئلے کا حل لگتا ہے۔''

''میرے مسئلے کا حل؟'' اس نے گہری سانس لی۔ ''میرے مسئلے کا حل کوئی نہیں ہے ماسوائے اس کے کہ سر جھکا کر جی حضوری کرتی رہوں۔ دانش کے رشتہ بھیجنے کا مطلب خود پر ایک اور تہمت لگانا ہو گا' آوارگی کا سمبل۔''

آنسو پلکوں پر پھیل گئے۔

نگار نے بازو دراز کر کے اسے ساتھ لگا لیا۔

''اپنوں کے رویے اگر پتھر ہو جائیں تو ہمیں بھی خود کو چٹان بنا لینا چاہیے۔ زندگی ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔ مرنے والوں سے ان کا بھی کچھ رشتہ تھا۔ انہیں بھی اس بات کا احساس ہونا چاہیے۔''

''نگار! مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں خوش ہوں۔''

''تم صرف اتنا کرو کہ خاموش رہو بس' اور ایک بار دانش کی بات سن لو بس۔'' نگار نے اس کی بات کاٹ دی۔

ربیعہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''نہیں میں کسی کی بات نہیں سنوں گی۔ یہاں سمیر کے جاسوس ہیں اور مجھ سے بات کرنے کا فائدہ نہیں ہے۔ ایک دفعہ کی بات کو تو اس نے غلط معنوں میں لیا تھا۔ میں بہت محتاط ہو کر رہتی ہوں۔ میں اپنے کردار پر کوئی دھبہ نہیں لگانا چاہتی۔'' سر گھما کر اسے دیکھا۔ انگلی کی پوروں سے آنکھیں صاف کیں۔

''چلو اور دانش سے تو بالکل بھی نہیں۔''

''اور جانے کیوں مجھے لگتا ہے کہ دانش تمہاری زندگی بدل دے گا۔''

''یہ محض تمہاری خام خیالی ہے۔''

نگار کے یقین کو باطل کرنے کی کوشش تھی مگر وہ نگار تھی جس کی رگوں میں ربیعہ کے لیے ہمدردی' محبت اور احساس لہو بن کر گردش کر رہا تھا۔

''میں اتنا برا بھی نہیں جتنا آپ مجھے سمجھ رہی ہیں۔'' پیچھے سے آواز ابھری۔ دونوں ہی چونک گئیں۔ سنجیدہ شکل بنائے دانش سامنے آ گیا۔

''ہر شخص کے لیے آزمائش شرط ہوتی ہے۔'' ان کے سامنے گھاس پر بیٹھا۔

''اور ہر شخص ہر شخص سے مختلف ہوتا ہے۔'' کتابیں سائیڈ پر رکھ کر انہیں دیکھا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ان کی باتیں سن چکا ہے۔

''کیا کر سکتے ہیں آپ میرے لیے؟'' ربیعہ کا دکھ منتشر ہونے لگا تو لہجہ چیخ گیا۔ ''آپ تو خود......'' کہتے کہتے وہ رک گئی۔ ''میری تقدیر بدل سکتے ہیں یا پھر میری قسمت کو خوش قسمتی میں بدل دیں۔ کیا ہے آپ کے اختیار میں؟ کچھ نہیں محض لفاظی ڈھونگ اور......اور......'' اس کا لہجہ پتھرا گیا۔ رخ پھیر لیا۔

دانش نے تاسف بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

''مجھے اختیار دیں گی تو با اختیار ہوں گا۔''

''مجھے اپنی عزتِ نفس بے حد عزیز ہے۔ میں خود بے اختیار ہوں تو کیا کر سکتی ہوں۔ چلو نگار۔''

''مگر میں کوشش ضرور کروں گا۔ ہیرے کی قدر جوہری جانتا ہے۔ اس کے اندر پتھر کو تراش خراش کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔''

''میں اپنی قسمت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' وہ جھٹکے سے اٹھی اور مخالف سمت تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔ اس کا لہجہ اور انداز اسے بھی دکھی کر گیا۔

''دیکھ لو دانش۔''

''ہاں میں نے دیکھ لیا ہے اور سوچ بھی لیا ہے۔ سمیر تو اس کے بالکل بھی قابل نہیں ہے۔ سر پھرا وحشی بندہ ہے جاہل...... بزنس مائنڈ لالچی' اس کو صرف مالِ غنیمت کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔''

''تم کیا کر سکتے ہو؟''

''رشتے کے لیے آنٹی کو بھیجوں گا۔'' امی تو معذور ہیں ساتھ تم چلی جانا۔ میری امی کے لیے اس جیسی لڑکی کی ضرورت ہے۔ دیکھنا یہ کتنا خوش رہے گی ہمارے گھر میں۔'' دانش کہتے ہوئے مسکرایا۔

''اتنا یقین مت رکھو ابھی۔ وہ بے مہر لوگوں کے درمیان رہتی ہے۔'' نگار اسے زمین پر کھینچ لائی۔ اور وہ سر جھکا کر مسکرا دیا۔

گزرتے دنوں کے ساتھ گہری خاموشی کا ہالہ اس کے گرد مکڑی کی طرح جالا بنتا چلا گیا۔

اسے اپنی قسمت کے بارے میں یقین تھا۔ کوئی نہیں بدل سکتا تھا تو خوامخواہ امیدیں باندھنے سے کیا فائدہ۔ رشتوں کے ساتھ ہر چیز کی اہمیت ہوتی ہے اور وہ محبت بھرا ہر اعتماد و مان کھو چکی تھی سو گھر کے دھندوں کے ساتھ پڑھائی میں خود کو گم کر لیا۔

وہ اس کا آخری پیپر تھا۔

آپا جان نے شادی کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ اگلے جمعہ کو اس کا نکاح تھا چاند کے ساتھ۔

رضیہ باجی نے اطلاع دی تھی اور وہ دم بخود بیٹھی رہ گئی۔ اس چیز کی امید تھی یہ ہونا تھا مگر...... اتنی جلدی......

اس نے دریچے کے باہر پھیلے گھور اندھیرے کو دیکھا اور دریچے کی یخ چوکھٹ کے ساتھ سر ٹکا دیا۔

''تو دانش تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ میری قسمت یہ ہی ہے۔ میں نے کہا تھا نا میری قسمت کوئی نہیں بدل سکتا۔''

سر اٹھا کر ستاروں بھرے آسمان کو دیکھا تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے بھلا۔ آنکھیں بھیگنے لگیں' دل درد سے بوجھل ہو گیا۔ رخساروں پر دریا کا بند نکل گیا۔

کون تھا جو رات کے اس پہر بند باندھتا۔

اگلا دن قیامت کا تھا۔

گھر میں بھونچال آیا ہوا تھا۔ ربیعہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ باہر آپا جان' چاند چیخ رہے تھے۔

''بتول! بتول! بلا کر لا اس حرافہ کو یہ گل کھلاتی رہی ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بہانے۔'' آپا جان کی آواز بلند تھی۔ اس کے پیروں تلے زمین نکل گئی۔ بکھرے بال سمیٹ کر دوپٹہ شانوں پر پھیلایا۔ اس وقت بتول آ گئی۔

''بتول! نیچے کیا ہوا ہے؟'' گھبرا کر پوچھا۔

''پتہ نہیں جی۔'' وہ لاعلم تھی۔ اس کے پیچھے باہر نکلی۔

''میں نے کہہ دیا ہے کہ میں ایسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا جس نے آوارگی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہوں۔ جانے لڑکوں کے ساتھ کہاں کہاں جاتی ہو گی؟ میں ایک عزت دار شخص ہوں۔ کچھ تو ہے نا جو اس لڑکے نے رشتہ بھیجا ہے۔ اس کی ہی شہہ ہو گی۔''

سمیر کی تنفرانہ آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ ''آوارہ۔'' اس کے قدم زمین پر جم گئے۔ آہٹ پر رخ موڑ کر دونوں نے دیکھا۔

''آؤ۔ آؤ۔ عزت دار ماں باپ کی باعصمت بیٹی۔'' آپا جان نے حقارت سے دیکھا۔ ''یہ کارنامے انجام دیتی رہی ہو کہ لوگ گھر آنے لگے ہیں۔ بول کیا چکر ہے یہ؟''

تو گویا دانش نے رشتہ بھیج دیا تھا۔

انجام نتیجے کی صورت سامنے تھا۔ زندگی کتنی بے مایہ تھی۔

''میں نے کہہ دیا ہے نا میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ مجھے اس پر اعتبار ہے نا یقین' میں نے خود اسے لڑکوں کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔''

اک اور الزام۔ اس کا وجود سن ہو گیا۔

''اگر دیکھ لیا تھا تو بتایا کیوں نہیں۔ چار چوٹ کی مار لگا کر گھر بٹھا دینا تھا۔''

نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کے حواس معطل ہو رہے تھے۔ ''اس سے نکاح کرو آج ہی۔'' فیصلہ کن انداز میں اسے دیکھا۔ ''ساری عمر باندھ دو اسے۔ اس کے بعد دوسری شادی اپنی پسند سے کر لینا دھوم دھام سے۔'' سیڑھیوں پر گر سی گئی۔ اس کا وجود بھربھری مٹی جیسا ہو رہا تھا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ اس کو کھڑے کھڑے ان کپڑوں میں گھر سے نکال دوں۔ آپ ساری عمر رکھنے کی بات کر رہی ہیں۔ ایسی عورت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے کب چل دے' کب بھاگ جائے۔''

''اف۔'' اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈلتا چلا گیا۔ اس کی پاک دامنی پر اتنا بڑا الزام۔

''یا اللہ۔'' دونوں ہاتھ جوڑ کر سر ٹکایا۔

''اس لیے اس پر پیسہ لگایا ہے۔ کیوں کہا تھا تو نے کہ پڑھی لکھی لڑکی چاہیے جو پرکشش جاب کرے۔ آج کل تنخواہیں بہت ملتی ہیں۔ کیوں پھر پڑھایا؟'' آپا جان زہر اگل رہی تھیں۔

''بس میں شادی نہیں کر سکتا۔ دل اٹھ گیا ہے اور محبت مر گئی ہے لڑکیاں بہت۔'' کروفر سے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔

''اسی لفنگے کے ساتھ چلتا کریں تین کپڑوں میں بس۔'' پان چباتے ہوئے سر گھما کر اوپر سے آتی سیڑھیوں کے آخری اسٹیپ پر اسے سکڑے سمٹے بیٹھے دیکھا۔

''قطعی نہیں۔''

''اگر آپ نہیں کریں گی تو میں کروں گا۔ اس غریب لفنگے سے اس کی شادی اور یوں تو پڑھاتے ہیں۔ اسے بھی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا مزہ ملے۔ کیا دے سکتا ہے وہ' دو ٹکے کا چھوکرا جو خود پڑھ رہا ہے۔ ماں بیمار ہے' باپ سر پر نہیں' ایک جھونپڑے میں کیسے گزارا کرے گی۔ موسم بدلے گا اور ایک چھینک میں محبت نزلہ بن کر نکل جائے گی۔ ہا......ہا......ہا۔''

اپنے لفظوں سے خود ہی حظ اٹھایا۔

''زیادہ تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج شام وہ لوگ رشتہ لینے آ رہے ہیں۔ میں تو کہتا ہوں ان کے ساتھ ہی دفع کر دیں کہ لے جاؤ اسے اپنے ساتھ۔ اتنی ہی پسند آ گئی ہے۔''

ایک طنزیہ نگاہ پھر ڈالی۔

''بلکہ فون کر دیتا ہوں کہ مولوی ساتھ ہی لیتے آنا۔''

اتنی ذلت' اتنی حقارت کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جاتی۔ قیامت اس کے گرد تھی۔

سمیر اٹھ کر خون آشام نظروں سے دیکھتا اچھل کر اٹھا اور فون کی طرف بڑھا۔

''چاند! چاند!'' آپا جان ہڑبڑا کر اٹھیں۔ ''کیا کر رہے ہو یہ جانتے ہو اس کا نتیجہ۔''

اس کے ہاتھ سے ریسیور جھپٹا۔

''اپنے ہاتھ کٹوانا ہے۔ ساری جائداد باہر چلی جائے گی۔'' سمیر نے رک کر انہیں دیکھا۔

''کیسے جائے گی ہم دیں گے تو جائے گی۔ چار چوٹ کی مار تو اب لگے گی۔ خالی ہاتھ' خالی دامن' بے عزتی کے احساس کے ساتھ سر جھکا کر رہے گی اپنی محبت پر ماتم کناں۔''

آپا جان کے ہاتھ سے فون لیا نمبر ملایا اور آپا جان کے منع کرنے کے باوجود فون چھیننے کی کوشش کو باطل کرتے ہوئے فون نمبر ملایا۔

اس کی بدقسمتی پر ایک اور بدقسمتی کی مہر لگا دی

وہ زمین میں گڑ گئی۔ اتنی تہمت' بہتان' الزامات۔

رات تک اس کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا بلکہ مہر لگ گئی اور بکاؤ مال جیسی اس کی ذات' دانش نے خرید لی۔ بولی لگائے بغیر۔

ملگجے' مسلے کپڑے' بکھرے بال' متورم چہرہ' زرد رنگت' خوف و ہراس کے تاثرات' بے رنگ' بے اماں آنکھیں۔ اپنی عزت نفس کی دھجیاں سمیٹتی' اپنی روح دل اور وجود پر ماتم کناں' اپنوں کو روتی وہ اک مکان سے دوسرے مکان کی جانب سفر کر رہی تھی۔

کیا تھی اس کی ذات صفائی کا موقع ہی نہیں ملا۔ کچھ کہنے کا' جھوٹ کو جھوٹ کہنے کا۔ اس کی ذات اتنی ہی ذرہ بے مثال تھی اب تو مٹ ہی گئی۔

اپنوں نے غیروں سے بڑھ کر ثبوت دیا تھا غیریت کا۔

اس کے اندر سے تمام جذبے مر گئے۔ سوگ روگ بن کر سرایت کرتے ہوئے رگوں میں گردش کرنے لگا۔

وجود سے جذبے مر جائیں تو وجود ختم ہو جاتا ہے۔ وہ بھی لاش ایسی ہو رہی تھی۔

دانش کی والدہ نے وہیل چیئر پر بیٹھ کر اس کا استقبال کیا' ماتھا چوما' پیار کیا' ماشاء اللہ کہہ کر بانہوں میں بھرا۔ اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ ان کے پیچھے کھڑی نگار نے محبت سے اسے تھام لیا مگر اس کی حسیں مر چکی تھیں۔ سونے اور طویل نیند سونے کی خواہش اس کے وجود میں سرایت کر رہی تھی۔ دل درد سے بوجھل تھا اور وجود دل کا صدمہ سہہ نہیں پا رہا تھا۔

اس قدر غیریت ہتک عزت دل سہہ نہیں پایا۔ سر اٹھا کر خود کو غیروں کے جہاں محسوس کیا۔ کوئی اپنا نہیں۔

کوئی درد کا درماں نہیں۔ کوئی ماں جایا نہیں درد کی شدت میں اضافہ ہوا۔ دوسرے لمحے وہ گرتی چلی گئی۔ اسے نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا۔

ارے......ارے۔'' سب سنبھالنے کے لیے بڑھے تھے۔

دو دن جان کنی کے بعد اسے ہوش آیا تو سب نے صد شکر ادا کیا۔ مسز کاظمی (دانش کی والدہ) نے صدقے دیے۔

بے جان نظروں سے اطراف میں کھڑے لوگوں کو دیکھا۔

''ربیعہ! ربیعہ ہوش کرو۔ ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔ محبت کرتے ہیں تم سے۔'' نگار نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”دیکھو دانش نے کتنا بڑا رسک لیا۔ تمہاری زندگی بدل دی۔“

زندگی بدل دی یا...... یا زندگی میں ایک اور گرہن لگ گیا۔ اس نے سوچا۔

”مبارک ہو۔“ دانش اس کی جانب پھول بڑھا رہا تھا۔

وہ صرف دیکھ ہی رہی تھی۔ لفظ ایک بار پھر شاید رہن رکھے گئے تھے اور اس شخص سے نہیں ملوں گی جس نے ہم پر اعتبار کر کے تمہارا ہاتھ تھاما اور تمہیں پھولوں کی رہ گزر پر لے آیا۔

نگار ایک اور پر مژدہ سنا رہی تھی۔

”یعنی۔“ نگاہ اٹھائی۔

”یہ تمہارے شوہر ہیں۔ تم دانش کی بھابی ہو۔“ ربیعہ نے نگاہ اٹھائی۔ نگار نے دانش کی سی شکل سے ملتے جلتے خوبرو سے شخص کو آگے کیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کا بو کے تھا۔

وہ ایک عالم تحیر سے ابھری۔ پے در پے انکشافات۔ کل کیا تھا اور آج...... آج۔

”زندگی کی سحر مبارک ہو۔“ سیاہ چمکتی لو دیتی آنکھیں محبت کی مسکان پیار بھرا احساس۔

دھیرے سے آنکھیں بند کر لیں۔ عالم برزخ میں تھی یا عالم جنت میں دوزخ کی آگ سے نکلی تھی یا پھر وہیں ایستادہ تھی۔ اس کا جمود اک بار پھر اندھیروں اور بے یقینی کے سمندر میں موجزن ہوتا نیچے اور نیچے گرتا جا رہا تھا۔

نگار اور دانش ڈاکٹر کو لینے بھاگے۔

خالد گردیزی نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر ایک پیار بھرا محبت بھرا احساس ہونے کا یقین دلایا مگر ربیعہ کے وجود میں بے یقینی تھی۔ اسے کسی بھی محبت کا اعتبار کیسے آتا۔

ایک طویل بے ہوشی کے بعد آنکھ کھلی تو بہتر صورت حال تھی۔

نگار دانش اور وہ شخص اس کے پاس تھے۔ ایک نئی دنیا سے ہمکنار کر رہے تھے۔ دانش خوش تھا کہ اس کا جہاں ہی بدل دیا تھا اور نگار اس کی ہمت کی داد دے رہی تھی اور وہ شخص جو اس کا سائبان تھا۔ بس مسکراتے ہوئے گھنی چھاؤں ہونے کا احساس دے رہا تھا اور ادھر بے یقینی سی بے بسی تھی۔

”ربیعہ! دراصل مجھے میرے گھر کو ایک ایسی لڑکی کی ضرورت تھی جو اس گھر کو سنبھال سکے۔ بے ریا محبت، خلوص، ہمدردی اور سچی چاہت دے۔ ہم دکھے ہوئے اور اپنوں کے ڈسے ہوئے لوگ تھے جنہوں نے ہمارا سب کچھ چھین کر ہم سب کو ایک شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔ ایسے لوگوں سے حساب اللہ ضرور لیتا ہے۔ دیر سے ہی مگر لیتا ضرور ہے اور تم مجھے اپنے لیے نہیں ایک نئے رشتے کے احساس سے اپنے بھائی کے لیے اچھی لگی تھیں۔ بطور بھابی میری۔ میری فرسٹریشن کی وجہ بھی یہی تھی۔ کہو...... یہ سائبان...... یہ رشتہ...... یہ گھر پسند آیا۔

دانش چاہت سے پوچھ رہا تھا۔

اور وہ یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ کیا یقین کرے وہ بھی تو اپنوں کی ڈسی ہوئی تھی۔ اپنوں کے روگ میں مبتلا۔ کس درجہ انہوں نے سلوک کیا تھا۔ کیسے اعتبار کرے؟ اس کے بارے میں کچھ نہ کیا ہوگا اور یہ شخص سامنے بیٹھے نگار سے باتیں کرتے اس کی کسی بات پر سر جھکا کر مسکرائے خالد گردیزی کو دیکھا۔

اس شخص کو بھی تو علم ہوگا ان سب الزامات کا تو...... تو یہ اس کے بارے میں کیا سوچے گا شکی وہمی یا......

”بھابی!“ دانش یک دم ہی اس سے مخاطب ہوا۔ ”کیسا لگا میرا سرپرائز؟“

”ارے سارا کریڈٹ خود مت لو۔ میں بھی تو اس میں شامل ہوں اور یہ ابھی بتا کیسے سکتی ہے اپنے محسوسات کو ہاسپٹل کے بیڈ پر۔“ نگار اٹھ کر اس کے سرہانے بیٹھی اور ربیعہ کے بال سہلانے لگی۔

”ارے۔“ اچانک ہی دانش نے سر پر ہاتھ مارا اور ربیعہ جو سوچ رہی تھی اپنی زندگیوں سے...... اپنے گھر سے اس کے وجود کو نکال کر کتنے پرسکون ہوں گے وہ لوگ۔

دانش کی آواز پر وہ چونک گئی۔

”ہمیں اس شخص کا شکریہ ضرور ادا کرنا چاہیے جس کی وجہ سے یہ تمام مرحلے آسان ہوتے چلے گئے ورنہ اس ہراساں ہرنی کو جادوگرنی کی قید سے نکالنا کتنا مشکل تھا۔“

نگار کھلکھلا کر ہنسی۔ ”ظالم جادوگرنی۔“

ربیعہ کے تحیر میں اضافہ ہو گیا۔

دانش اٹھ کر باہر نکل گیا۔ نگار نے ربیعہ کا ہاتھ تھام لیا۔ ”ہم جنہیں برا سمجھتے ہیں ربیعہ دراصل وہ ہی کبھی کبھی بہت اچھے ہوتے ہیں۔“

اس کی سوالیہ نگاہوں کو محبت سے دیکھا۔

اس وقت دروازہ کھول کر دانش اندر آیا اور...... دانش کے عقب میں آتے ہوئے شخص نے اس کی آنکھوں کو بھگو دیا۔ اذیت و کرب کا سیلاب اس کے اندر اٹھ آیا۔ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔

سمیر اس کے بیڈ کے قریب کھڑا ہو گیا۔

”کیسی ہو ربیعہ؟“

ان کے لہجے میں محبت، اپنائیت، خلوص جھلک رہا تھا وہ گنگ رہ گئی۔

”مجھے معلوم ہے تم مجھ سے بدظن ہی نہیں ناراض اور شاک بھی ہو گی۔“ دھیرے سے اس کے سامنے بستر پر بیٹھا۔ سر گھما کر اس نے خالد گردیزی اور دانش کو دیکھا۔ اسے روک کیوں نہیں رہے، کچھ کہتے کیوں نہیں...... اس...... اس شخص نے ہی تو...... تو......

ان کے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ تھی۔

”مگر تمہیں ایک اچھی، پرسکون، پرامن اور خوشحال زندگی دینے کے لیے یہ سب ضروری تھا۔“ وہ کہہ رہے تھے۔

”تم سے شادی کا مطلب تمہیں برزخ میں جھونکنا تھا اور میں یہ نہیں کر سکتا تھا۔ کم سے کم شادی کے بعد تو تم آزاد ہو جاتیں مگر جب دلوں میں نفرتیں، کدورتیں ہوں تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔ اس لیے میں آپا جان کی ہر کوشش کو ناکام بناتا رہا اور تم سے نکاح نہیں کیا۔ تمہیں پڑھایا کہ تم اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ۔ اس وقت تک میں تمہارے لیے کوئی اچھا لڑکا دیکھ لوں گا۔ دانش نے مجھ سے بات کی تو مجھے خالد تمہارے لیے بہت اچھا لگا۔ آپا اس کے لیے کبھی راضی نہ ہوتیں۔ میں تم سے شادی نہ بھی کرتا تو وہ تمہیں گھر کی نوکرانی، باندی بنا کر رکھ لیتیں اور مجھے اور دکھ دینا منظور نہیں تھا۔ آپا کو میں سمجھا نہیں سکتا تھا۔ اس لیے یہ سب ناٹک کرنا پڑا۔ دانش کے ساتھ مل کر۔“

ربیعہ کی ہکا بکا صورت کو ملائمت سے دیکھا۔ ”کیا ایسا ہو سکتا ہے؟“ ربیعہ نے سوچا۔

”امی کے بعد چارج آپا جان نے سنبھال لیا۔ تمہارے لیے دکھوں کی عمر دراز کر دی۔ دولت کی ہوس اور جائیداد کے لالچ نے انہیں کبھی رحم دلی کی طرف آنے نہیں دیا۔“

اس کے ہونق چہرے کو دیکھا۔

”مجھے یقین ہے اب تم نے میرے لیے سارے ملال نکال دیے ہوں گے میں نے تمہارے لیے ایک بہترین شخص کا انتخاب کیا ہے۔“ خالد گردیزی کو محبت سے دیکھا۔

”یہ تمہیں محبت، تحفظ، خلوص، مان اور اعتبار سب دے گا۔“

”سمیر بھائی۔“ بے اختیار خلوص کی حد درجہ مہربانی پر آنسوؤں کے ساتھ اس کے ہونٹوں سے نکلا ایسے کیسے ممکن تھا۔

”اور...... یہ تمہارے مکان کے کاغذات جو کرائے پر دے رکھا تھا۔ اس کے نیچے دکانیں تھیں اور جو ابو اپنا کہتے رہے۔ جس کے لیے احسن لڑتا تھا۔ وہ ٹھیک ہی جھگڑتا تھا۔ اس کے ساتھ بھی بہت زیادتی ہوئی تھی مگر اس وقت میں اتنا با اختیار نہیں تھا مگر تمہارے لئے میں لڑ سکتا ہوں۔ تم لوگوں کا رہائشی گھر ابو نے بیچ دیا تھا کہ چچا اسے جوئے میں ہار چکے تھے۔ مگر ایسا نہیں تھا یہ ابو کی چال تھی۔“ سمیر سر جھکائے کہہ رہا تھا اور وہ گنگ و ساکت سنتی جا رہی تھی۔ ”میں حیران ہوں دولت کی ہوس کے لیے لوگ اتنے بھی گر سکتے ہیں کہ اپنوں کی بے کسی اور بے بسی کا بھی خیال نہ ہو۔“ سمیر شرمندہ تھا۔ ”میرے اختیار میں جو ہوا تمہارے لیے کروں گا۔ تمہیں تمہاری رقم ضرور ملے گی۔“

”سمیر بھائی۔“ بے اختیار اس ہمدردی پر ان کا ہاتھ تھام کر رو دی۔ جسے وہ برا، آوارہ گرد وحشی سمجھتی تھی۔ وہ...... وہ کس درجہ مہربان تھا۔ اس نے محبت سے ربیعہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ایک دم سے ہی ربیعہ کا وجود ہلکا پھلکا ہو گیا۔ دکھوں کے بادل چھٹے تو یکدم سے بے بسی کا احساس بھی ختم ہونے لگا۔

”آپ کتنے اچھے ہیں۔“ اس کے لہجے میں معصومیت در آئی۔

”بس پان چبانا چھوڑ دیں۔“ نگار نے بے ساختہ کہا تو سب ہنس دیے۔ ربیعہ نے گہری سانس لی۔ کس درجہ ہلکی ہو گئی تھی۔

”آج ربیعہ ڈسچارج ہو جائے گی۔ سنڈے کو ولیمہ کی تقریب رکھ لو اور اس سے پہلے مہندی ضروری ہو گی۔“ نگار نے کہا۔

”کمرے کا ماحول ایک دم سے بدل گیا۔

نگار کی باتوں پر ہنستے ہوئے بے اختیار نگاہ سامنے اٹھی...... اور ٹھہر سی گئی۔ خالد گردیزی اس کی زندگی میں اچانک در آنے والا معطر ہوا کا جھونکا جس کے بارے میں کہا جا رہا تھا کہ وہ اس کی زندگی میں رنگ، بہار، خوشبو، اپنائیت سب لے آئے گا۔ بے انتہا محبت چاہت سے دیکھ رہا تھا۔ خلوص کے رنگ نمایاں تھے۔

ربیعہ کے وجود سے محبت کی ہوا کا جھونکا ٹکرایا اور اس کا زرد چہرہ محبت کے رنگوں سے بھر گیا۔ سر جھکا کر مسکرائی تو حیا کے رنگوں نے خالد گردیزی کے وجود کا احاطہ کر لیا۔ وہ جو ایک خوف تھا شریک حیات کے سلسلے میں وہ اس کے وجود سے اندر گیا۔

نگار شرارت سے کھنکاری تو دونوں ہی ہنس دیے۔

دانش اور سمیر باہر نکل گئے۔ نگار شرارت سے ابھی آئی۔ کہتی باہر نکل گئی۔

خالد گردیزی اٹھ کر اس کے مقابل آ گئے۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“

”ٹھیک ہوں۔“ بمشکل سر ہلایا۔

”چلیں پھر۔“

”کہاں؟“ بے اختیار سر اٹھایا۔

”گھر۔“ وہ مسکرایا۔ ”ولیمہ کی تیاریاں کرنی ہیں۔ شادی تو ہماری جلدی میں ہوئی مگر بہت خوب ہوئی۔“ استحقاق بھری نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی۔ ملگجے حلیے میں بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

”مگر ولیمہ کی تیاری بھرپور ہونی چاہیے۔“ بیڈ کے کنارے پر ہاتھ رکھ کر جھکے۔

”عروسی لباس، مہندی، چوڑیاں، جھمکے، ابٹن مایوں اور ہار سنگھار سب کا سب مکمل اور بھرپور ہونا چاہیے۔“

خالد گردیزی کے وجود سے اٹھتی خوشبو اور لو دیتی آنکھیں اس کے وجود میں کئی چراغ جلا گئیں۔

خدا سے غفلت کی شکایت تھی مگر وہ اس سے بے خبر نہیں تھا۔ تشکرانہ انداز میں رب کا شکر ادا کیا اور محبت سے بڑھا ہوا اس کا ہاتھ تھام کر بستر سے نیچے اترنے لگی۔ اسے بھی تو بہت تیاری کرنا تھی۔ نئی زندگی کی شروعات کے لیے۔ بھرپور رنگوں اور روشنی کے ساتھ۔